ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیقی کاوشوں کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

شمارہ 01، جلد 23، جنوری 2014/ربیع الاول 1435ھ

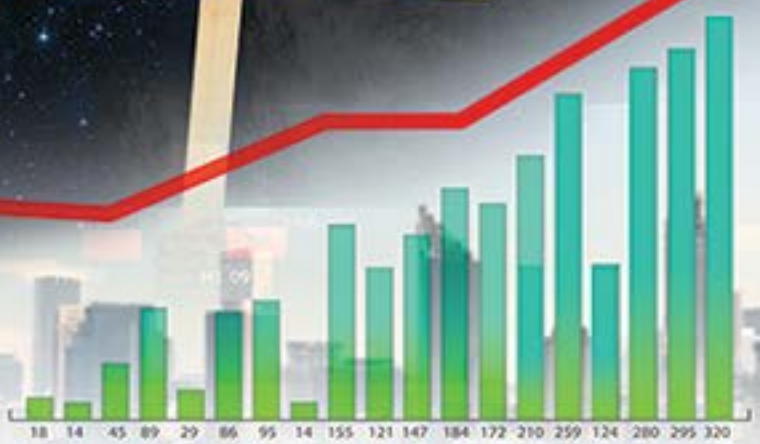
سیرت النبی ﷺ
چند امتیازی پہلو

عالمِ انسانیت پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات

میلاد النبی ﷺ
تعلیمات نبویہ کی روشنی میں

احتجاج کا شرعی تصور اور صحیح طریقہ

کاروبار کی ترقی اور زوال کے اسباب





علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

شمارہ 01 | جلد 23 | جنوری 2014ء/ربیع الاول 1435ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم

آرٹ اینڈ ڈیزائن: طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

ہارون الرشید (گرافک ڈیزائنر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)

خطاطی: اکرام الحق | قانونی مشیر: چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ:

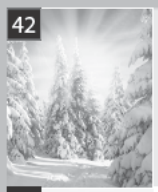
موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر: محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت: 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر: انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

وسعتِ دامان

انوارِ حدیث — خصوصیات محمد ﷺ — محمد عظیم حاصل پوری — 8


جدید مسائل — موسم سرما سے متعلقہ احکام ومسائل — حافظ شبیر صدیق — 42


عالمی منظر نامہ — اسلام دشمن قوتوں کا مشرق وسطیٰ میں گٹھ جوڑ — ابوولید ملک — 57


گوشۂ خواتین — خزاں میں پھول کھلاؤ — توبات بنے — فرح ضیاء — 64


اداریہ	عالم انسانیت پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات	چیف ایڈیٹر	5
انوارِ حدیث	خصوصیات محمد ﷺ	محمد عظیم حاصل پوری	8
تردید نظریات	میلاد النبی ﷺ تعلیمات نبویہ کی روشنی میں	پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی	12
اشاعتِ حدیث	حصولِ نور کے اسباب	فضل اکبر کاشمیری	17
مکتوب امریکہ	باطل پر ایمان لانے کا مطلب	حافظ عبدالوحید سوہدروی	19
عقائد	اللہ، اللہ ربی، لا أشرک به شیئا	مولانا عبدالسلام کیلانی رحمہ اللہ	21
سیاسیات	احتجاج کا شرعی تصور اور صحیح طریقہ	حافظ محمد حق نواز	25
سیرت النبی ﷺ	سیرت کے چند امتیازی پہلو	محمد نعمان فاروقی	30
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	35
مکتوب الریاض	نبوی اخلاق کے دو واقعات	عبدالمالک مجاہد	39
جدید مسائل	موسم سرما سے متعلقہ احکام ومسائل	حافظ شبیر صدیق	42
احکام و مسائل	ناخن سے متعلقہ احکام	مولانا عبدالجبار	47
عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم	ایمان صحابہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	محمد اقبال سیال	49
عالمی منظر نامہ	اسلام دشمن قوتوں کا مشرق وسطیٰ میں گٹھ جوڑ	ابوولید ملک	57
معاشیات	کاروبار کی ترقی اور زوال کے اسباب	حافظ عبدالسمیع	62
گوشۂ خواتین	خزاں میں پھول کھلاؤ توبات بنے	فرح ضیاء	64
حب رسول ﷺ	یہ کون آیا کہ ذکر جس کا، نگر نگر ہے، گلی گلی ہے	حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ	69
رپورٹ	دارالسلام.....ماہ رفتہ	حافظ محمد ندیم	70
اصلاح معاشرہ	شادی بیاہ پر ہمارے طور اطوار	حافظ صلاح الدین یوسف	71

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ رعایتی زرتعاون: عام ڈاک صرف -/400 روپے، رجسٹری ڈاک -/800 روپے

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون: سعودی عرب 100 ریال، یورپی ممالک 30 یورو

عالم انسانیت پر
رسول اللہ ﷺ کے احسانات

انسانی فطرت ہے کہ اگر کوئی آپ پر احسان یا نیکی کرے تو آپ اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ محبت کرنے لگتے ہیں۔ آپ کا محسن جس قدر زیادہ آپ کے ساتھ احسان کرتا ہے آپ بھی اس کے ساتھ اتنی ہی زیادہ محبت کرتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کی ہے اور ٹوٹ کر محبت کی ہے۔ وہ آپ ﷺ سے محبت کرتے چلے آئے ہیں اور قیامت تک محبت کرتے رہیں گے۔ اس محبت کی کوئی حد اور کوئی کنارا نہیں۔ اس محبت کے یقیناً بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں، مگر ایک سبب جس کا میں تذکرہ کرنے لگا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ نے ہم پر، اپنی امت پر ایسا احسان کیا ہے جس سے ہماری دنیا بھی اچھی ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی ہمیں کامیابی کا پروانہ مل سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہر لیڈر، ہر مصلح، ہر قائد اپنی قوم کے لیے قربانیاں دیتا ہے۔ ان پر احسانات کرتا ہے، مگر عزیزو! جو احسانات اور نیکیاں سید ولد آدم نے ہم پر اور امت مسلمہ پر کی ہیں وہ کسی بھی مصلح اور لیڈر کے مقابلہ میں بے پناہ قیمتی اور عظیم ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا دار لیڈر محض دنیاوی نفع پہنچاتے ہیں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ہم پر جو احسانات کیے ہیں وہ اس لیے اہم ترین اور افضل ترین ہیں کہ ان میں دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہیں۔ کیا یہ کوئی کم احسان ہے کہ ایک ایسی قوم جو پستیوں میں گری ہوئی تھی جس کا معاشرے میں کوئی مقام و مرتبہ نہ تھا ایک مختصر سی مدت میں بام عروج تک پہنچ جاتی ہے اور دنیا پر حکمرانی کرنے لگتی ہے۔

اس قوم نے اپنے رسول سے، اپنے نبی سے محبت اور پیار کیا اور خوب کیا۔ عرب قوم کی ایک بڑی سمجھدار شخصیت عمر بن خطاب، جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب سے مانگ لیا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا ہاتھ تھاما ہوا ہے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عرض کر رہے ہیں: اللہ کے رسول آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔

جواب میں آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں: ''نہیں عمر! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب تک میں تمھارے نزدیک تمھاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تمھارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔'' سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی آپ ﷺ کا یہ فرمان سنا تو فوراً عرض کی: اللہ کے رسول! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں: «الآنَ يَا عُمَرُ» ''اے عمر! اب تمھارا ایمان مکمل ہوا ہے، اب بات بنی ہے۔''

اہل ایمان نے آپ ﷺ سے محبت کی اور خوب محبت کی۔ آپ کے احکامات کو دل و جان سے تسلیم کیا۔ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی، اور اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ قارئین کرام! آیئے ایک منظر دیکھتے ہیں:

قادسیہ کے میدان میں کسریٰ کا سپہ سالار رستم مسلمانوں کے سپہ سالار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنا ایلچی بھیجو! وہ ہم سے

گفتگو کرے۔

عرب کے مانے ہوئے دو ذہین ترین افراد مغیرہ بن شعبہ اور ربعی بن عامر ؓ کا انتخاب ہوتا ہے اور وہ باری باری سفیر بن کر رستم کے پاس جاتے ہیں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ ثقفی ؓ کے لیے خیموں کو سجایا جاتا ہے۔ ریشم و کمخواب کی چادریں' بیش قیمت پردے لگائے جاتے ہیں اور قالین بچھائے جاتے ہیں۔ زرق برق لباس میں ملبوس خدام ان کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہیں۔

ادھر مغیرہ کی شان یہ ہے کہ پیوند لگے لباس میں آ رہے ہیں، معمولی سا پرانا لباس' تلوار کے لیے میان تک نہیں۔ دروازے پر دربان نیا لباس پیش کرتا ہے، مگر وہ اس سے بے پروا اپنی تلوار کی نوک سے بیش قیمت قالینوں میں سوراخ کرتے ہوئے رستم کی طرف بڑھتے ہیں۔ کسی نے آواز دی: بڑا گنوار ہے۔ آداب شاہی سے واقف نہیں، مگر وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ رستم اس بے خوف بہادر شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اس کے لیے یہ انداز، یہ بے خوفی بڑی عجیب و غریب ہے۔ وہ آج تک محض ان عربوں سے ملاقات کرتا رہا تھا جو اس کے نائب کے طور پر مختلف علاقوں پر حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اسے خوب یاد تھا کہ اس کے پاس عربوں کا بادشاہ نعمان بن منذر آیا تھا تو اس نے غلہ اور اناج مانگا تھا۔ وہ رستم سے سونے اور چاندی کے سکوں کی بھیک مانگنے آیا تھا۔ رستم تو اسی وہم میں مبتلا تھا کہ یہ عرب بھوکے اور کمزور ہیں ان کو تھوڑی سی دولت اور معمولی سا لالچ دے کر خریدا جا سکتا ہے اور پھر وہ مغیرہ سے مخاطب ہوتا ہے۔

ہمیں تم لوگوں کی مالی حالت کا خوب اندازہ ہے، تمھارا ملک اور تمھارا علاقہ دنیا کے غریب ترین ملکوں میں سے ہے۔ تم مفلس اور قلاش ہو۔ میں تمھاری قوم پر رحم کرتے ہوئے تمھارے ہر سپاہی کو غلہ گندم اور کھجور وافر مقدار میں دینے کا اعلان کرتا ہوں۔

ہاں سنو! ہر سپاہی کو اتنا غلہ ملے گا جتنا ایک اونٹ اٹھا سکتا ہے اور تم نے جو ہمارے مقابلہ میں آنے کی جرأت کی ہے اس کے لیے ہم تمھیں معاف کرتے ہیں۔

قارئین کرام! اب ذرا آیئے دیکھتے ہیں کہ محمد عربی کے اس مخلص غلام اور سچے محبّ نے رستم کو کیا جواب دیا۔

سپہ سالار! تم نے ہمارے فقر کا اور ہماری حالت کا جو ذکر کیا ہے وہ بالکل درست اور بجا ہے۔ بلاشبہ ہم فقیر ترین قوم تھے۔ ہم جہالت اور گمراہی میں تھے اپنے اعزہ و اقارب کو قتل کرتے تھے تاکہ ان کا مال ہڑپ کر سکیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم نعمت سے نوازا۔ انھوں نے سیدھی راہ اور خیر کے دروازوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی جس سے ہمارے دلوں میں نفرتوں کی جگہ محبتوں کے چشمے ابلنے لگے اور ہم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

قارئین کرام! اس محسن انسانیت نے عربوں پر جو احسانات کیے، ان کا تزکیہ نفس کیا اور ان کی تربیت کی اس کے نتیجہ میں یہ قوم نہ صرف قیصر و کسریٰ پر فتح حاصل کرتی ہے بلکہ آدھی دنیا ان کے زیر نگیں آ جاتی ہے۔

ابوسفیان نے اسلام لانے سے پہلے ایک مرتبہ کہا تھا: جتنی محبت محمد ﷺ کے ساتھی ان کے ساتھ کرتے ہیں روئے زمین پر کسی قائد کے ساتھ اتنی زیادہ محبت نہیں کی جاتی۔

رجیع کے حادثہ میں سیدنا خبیب کو قریش نے دھوکہ سے گرفتار کر لیا۔ ان کو رسیوں سے باندھ دیا گیا اور مکہ سے باہر تنعیم کے مقام پر ان کو سولی دینے لگے تو ابوسفیان ان سے کہنے لگا:

خبیب! کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ تمھاری جگہ ہمارے پاس محمد ہوتے اور ہم ان کی گردن مار دیتے اور تم اپنے گھر والوں کے پاس خیر و عافیت سے ہوتے۔

قارئین کرام! ذرا ایک سچے محبّ کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ عقیدت' محبت' پیار اور الفت اسی کا نام ہے۔ سیدنا خبیب کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے

ہیں۔انھوں نے اپنا نورانی چہرہ اٹھایا، حقارت بھری نظروں سے ابوسفیان کو دیکھا اور کہنے لگے: «وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ مُحَمَّدًا يُشَاكُ فِي مَكَانِهِ شَوْكَةً تُؤْذِيهِ وَأَنَا جَالِسٌ فِي أَهْلِي وَمَالِي»

''اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کو ان کے گھر میں کانٹا چبھ جائے اور وہ آپ کو تکلیف دے، اور میں اپنے اہل وعیال اور مال و اسباب میں آرام سے بیٹھا رہوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کے بلاشبہ امت اسلامیہ پر بے حد وحساب احسانات ہیں۔انھوں نے جہنم کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو جنت کا راستہ دکھا دیا۔کسی بھی قوم اور امت پر اس سے بڑا احسان کیا ہوسکتا ہے کہ اسے ہمیشہ کی تکلیف اور ذلت سے بچا کر دائمی عزت وآرام سے روشناس کروا دیا جائے۔

ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔یہ وہ مبارک ماہ ہے جس میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔آپ کی دنیا میں آمد سے ظلم و جور کے اندھیرے چھٹ گئے۔غیر اللہ کی پوجا ختم ہوگئی۔وہ بیت اللہ جہاں پر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اس کی تطہیر ہوگئی۔آپ ﷺ نے اپنی امت میں سعادت اور خوشیاں تقسیم کیں۔ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت دی۔بلاشبہ وہ تمام انبیاء میں افضل ترین نبی اور رسول ہیں۔آپ افضل ترین باپ، بہترین شوہر اور لاجواب پڑوسی تھے۔

قارئین کرام! آج کے دور میں امت مسلمہ کے مسائل میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ہر نیا دن مسلمانان عالم کے لیے نئی مشکلات، پریشانیاں، پابندیاں اور دشواریاں لے کر آ رہا ہے۔اسلام کے دشمن مسلمانوں کو ایک متشدد گروہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔وہ انھیں دہشت گرد ہی سمجھتے ہیں۔وہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی سازشوں میں لگے ہوئے ہیں۔مسلمانوں کے خلاف چیلنجز روز بروز بڑھ رہے ہیں۔کتنے ہی یورپی تھنک ٹینک ہیں جو صرف اور صرف مسلمانوں کو نقصان اور زک پہنچانے اور نیچا دکھانے کے منصوبے بنانے میں دن رات مصروف ہیں۔ادھر مسلمانوں کے لیے اپنے اپنے ملکوں میں اور بطور خاص وطن عزیز پاکستان میں لامتناہی مسائل ہیں۔دہشت گردی اور خودکش دھماکوں نے پاکستان کی معیشت اور کاروبار کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔معاشرتی ناانصافیوں کی بدولت قتل وغارت، ڈاکے، فراڈ، چوری، ڈکیتی اور ہتک عزت جیسے مسائل میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔بے روزگاری اور مہنگائی کا جن کسی صورت قابو میں آنے والا نہیں ہے۔لوگ پریشان ہیں کہ ہم ان مسائل کا حل کہاں اور کیسے تلاش کریں۔

ہمارے نزدیک امت مسلمہ کے مسائل کا حل سیرت سرورِ عالم میں پوشیدہ ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کیجیے۔آپ کے فرامین کو بجا لائیے۔سیرت پاک کا خوب مطالعہ کیجیے۔ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں سے بیشتر لوگوں نے سیرت پاک کا سرے سے مطالعہ کیا ہی نہیں، سیرت پاک کے حوالے سے ہماری معلومات اور ہمارا مبلغ علم محض سکولوں، کالجوں میں پڑھائی جانے والی اسلامیات تک محدود ہوتا ہے۔عملی زندگی میں اگر آپ راحت چین، سکون اور سعادت چاہتے ہیں تو پھر سیرت کے پیغام کو عام کیجیے اور اپنے مسائل کو سیرت پاک کی روشنی میں تلاش کیجیے۔سیرت پاک کا خوب مطالعہ کریں۔ان شاء اللہ آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔

آیئے آخر میں اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث پڑھتے ہیں۔اس حدیث کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔فرماتے ہیں: ایک اعرابی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے جواب دینے کے بجائے اس سے ایک سوال کر دیا، فرمایا: ساتھی! یہ بتاؤ کہ تم نے قیامت کے لیے تیاری کیا کر رکھی ہے؟ کہنے لگا: «حُبَّ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ» ''اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت تک آنے والے لوگوں کو بشارت دی، فرمایا: «أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ» ''قیامت کے دن تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے دنیا میں محبت کرتے ہو۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مسلمان اسلام لانے کے بعد سب سے زیادہ اس حدیث سے خوش ہوئے۔

محبکم: عبدالمالک مجاہد



خصوصیات محمد ﷺ

محمد عظیم حاصل پوری

اللہ رب العزت نے جہاں آپ ﷺ کو تمام انسانیت سے افضل و اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے وہاں آپ کو بہت سی ایسی خوبیاں اور خصوصیات بھی عطا فرمائی ہیں جو تمام انبیاء اور کل کائنات سے آپ کو ممتاز کرتی ہیں۔اس مقام پر آپ ﷺ کی فضیلت و عظمت کو بیان کرنے کے لیے آپ کی چند ایک خصوصیات کا ذکر کرنا مقصود ہے تاکہ ہم اپنے نبی جناب محمد ﷺ کی عظمت و رفعت کو پہچان کر ان کی سچی اتباع و پیروی شروع کردیں اور دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح کے مالک بن جائیں۔

عالمگیر رسالت کے مالک

آپ قیامت تک آنے والی انسانیت کے نبی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''(سبا 28:34) آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:''پہلے ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے سب لوگوں (قیامت تک) کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔''(صحيح البخاري: 335)

تمام انبیاء پر برتری

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لے کر یہ ثابت کردیا کہ آپ ہی سارے انبیاء سے افضل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ ''اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر (یعنی محمد ﷺ) آئے جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی ضامن ٹھہرایا) انھوں نے کہا: (ہاں) ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔''(آل عمران 81:3)

معراج کی سیر میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی امامت کا منصب آپ کو عطا فرمایا ہے جو آپ ﷺ کے لیے بڑی عظمت کی بات ہے۔

خاتم النبیین کا اعزاز

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا﴾ ''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کردینے والے) ہیں۔اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''(الأحزاب 40:33) آپ ﷺ نے فرمایا:''میری مثال اور ان تمام انبیائے کرام کی مثال، جو مجھ سے پہلے آچکے ہیں، اس آدمی کی طرح ہے کہ جس نے مکان بنایا اور بہت اچھا اور خوبصورت بنایا لیکن مکان کے ایک کونے میں سے ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس کے مکان کے چاروں طرف گھومے اور مکان ان کو بڑا اچھا لگا اور وہ مکان بنانے والے سے کہنے لگے کہ آپ نے اس جگہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھ دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''(صحيح البخاري: 3535، وصحيح مسلم: 2286)



آپ ﷺ کے پیروکار سب سے زیادہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَآءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ». ''قیامت کے دن سب سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے۔'' (صحيح مسلم: 196)

سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا تحفہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جناب جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے اوپر سے دروازہ کھلنے کی زوردار آواز سنی۔ اپنا سر اٹھایا اور نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ یہ آسمانوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا، اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نازل نہیں ہوا، اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ ﷺ کو دو نور مبارک ہوں۔ آپ ﷺ سے پہلے یہ نور کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے (وہ یہ ہیں:) سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات، مزید فرمایا: جو شخص یہ دو آیات پڑھے گا اسے اس کی مانگی ہوئی چیز ضرور دی جائے گی۔'' (صحيح مسلم: 806)

پانچ چیزوں کی خاص عطا

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو عنایت نہیں کی گئیں:

① ہر نبی کو خاص اسی کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے ہر سرخ اور سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔

② پہلے کسی نبی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا لیکن میرے لیے اسے حلال کیا گیا ہے۔

③ اور صرف میرے لیے ہی تمام زمین پاک، مطہر اور مسجد بنا دی گئی ہے، لہٰذا جو شخص جس جگہ نماز کو پالے وہ اسی جگہ نماز پڑھ لے۔

④ اور میری ایسے رعب سے مدد کی گئی جو (لوگوں پر) ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہو جاتا ہے۔

⑤ اور مجھے شفاعت عطاء کی گئی ہے۔'' (صحيح مسلم: 521)

آسمانوں کی سیر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا کر معراج اور سیر کروائی اور کئی ایک تحائف سے نوازا۔ ان میں سے سرفہرست نماز ہے۔ یہ اعزاز کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ ''وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تاکہ اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے، بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔'' (بنیٓ اسرآءیل 1:17)

نماز میں آگے پیچھے یکساں دیکھنا

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میری توجہ صرف سامنے ہوتی ہے۔ اللہ کی قسم! تمھارا رکوع اور سجدہ مجھ سے مخفی نہیں ہوتا۔ میں تمھیں اپنی پیٹھ پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''

(صحيح البخاري: 418)

نبی ﷺ سب سے پہلے اٹھیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ» ''میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس سے قیامت کے دن زمین (قبر) پھٹے گی۔'' اور بعض دوسری روایات میں یہ الفاظ زائد ہیں: «وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ» ''میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا اور پہلا وہ شخص ہوں جس کی سفارش قبول کی جائے گی۔'' (سنن أبي داود: 4673، ومسند أحمد: 540/2)

سب سے پہلے پل صراط عبور کریں گے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کے اوپر ایک پل رکھا جائے گا، سب سے پہلے میں اس سے گزروں گا۔'' (صحيح البخاري: 6573)

دل بیدار، آنکھیں سوتی ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آپ سے استفسار کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ» ''میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا



دل نہیں سوتا۔‘‘(صحیح البخاري: 3569)

سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز بھی دیا ہے کہ آپ ﷺ کا سونے کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ سوئے حتی کہ خراٹے بھرنے لگے، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔(صحیح البخاري: 138)

اگلے پچھلے گناہوں کی معافی

اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء میں سے کئی انبیاء کا تذکرہ فرمایا اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی، مثلاً: ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى o ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ ’’اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔‘‘(طٰہٰ 122,121:20) مگر نبی کریم ﷺ کے لیے مطلق فرمایا: ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ ’’تاکہ اللہ تمھاری اگلی اور پچھلی لغزشیں بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے۔‘‘(الفتح 2:48)

نماز بیٹھ کر پڑھنے میں بھی پورا ثواب

اسلام کا عام قانون ہے کہ اگر آدمی بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اسے نصف (آدھا) ثواب ملے گا لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ کو پھر بھی پورا ثواب ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: آدمی کی بیٹھ کر نفل نماز نصف ثواب رکھتی ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں لیکن میں تم جیسا نہیں ہوں۔‘‘(صحیح مسلم: 735)

تیس جوانوں کی قوت کے مالک

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس آدمیوں کی طاقت جتنی طاقت عطا کر رکھی تھی۔ اس کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات یا دن میں بہ یک وقت اپنی تمام ازواج کے قریب جاتے تھے۔ وہ نو تھیں۔ راوی حدیث قتادہ رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ اتنی طاقت رکھتے تھے؟ تو انھوں نے بتایا کہ ہم باتیں کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔(صحیح البخاري: 268)

آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنا.....؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا، لہٰذا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔‘‘(صحیح البخاري: 110) لیکن ضروری ہے کہ خواب میں نبی ﷺ کو دیکھنے والا آپ ﷺ کے حلیے اور صورت کی شناخت رکھتا ہو۔

جنت میں بلا حساب داخلہ

نبی کریم ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ یہ امتیاز کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔(صحیح البخاري: 6541)

روز قیامت سفارش کا حق

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا اور وہ قیامت کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کریں گے، لہٰذا وہ کہیں گے ہم کسی شخص کو اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کے لیے لاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اس جگہ کی پریشانی سے نجات دلائے تو پھر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: آپ اپنے رب سے ہماری شفاعت کریں تاکہ وہ ہم کو اس پریشانی سے نجات دے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس موقع پر اپنی خطا یاد کریں گے اور فرمائیں گے کہ یہ میرا مقام نہیں ہے۔ (ان کو اپنے رب سے حیا آئے گی) لیکن تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ جو کہ پہلے رسول ہیں۔ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیں گے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے۔ لوگ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں جاؤ جن کے پہلے اور پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’پھر لوگ میرے پاس حاضر ہوں گے اور میں اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی۔ پھر میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہیں گے مجھے اسی حالت میں رہنے دیں گے

پھر مجھے کہا جائے گا:

''اے محمد ﷺ! اپنا سر مبارک اٹھائیں اور کہیں آپ کی بات قابل سماعت ہے۔ مانگیں آپ کو نوازا جاتا ہے۔ سفارش فرمائیں آپ کی سفارش قابل قبول ہے۔'' اس موقع پر میں اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا جو اس وقت مجھے تعلیم ہوگی پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کردی جائے گی۔ میں ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں سجدے میں چلا جاؤں گا جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہیں گے مجھے اسی حالت میں چھوڑ دیں گے۔ پھر کہا جائے گا: ''اے محمد ﷺ.....! کہیں آپ کی بات قابل سماعت ہے، سوال کیجیے عنایت کیا جائے گا، سفارش فرمائیں، قبول کی جائے گی۔'' تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو رب تعالیٰ کی تحمیدات کروں گا جو کلمات اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت سکھائیں گے پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کردی جائے گی۔ پس میں ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ راوی حدیث کہتے ہیں معلوم نہیں کہ تیسری یا چوتھی دفعہ کے بعد آپ ﷺ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائیں گے: ''جہنم میں اب صرف وہ ہیں جن کے لیے ہمیشہ ہمیشہ جہنم ہے اور قرآن نے ان کے لیے خلود نار واجب کردیا ہے۔'' (صحیح مسلم: 194 حدیث کے آغاز میں کچھ اختصار کیا گیا ہے)

نوٹ: نبی کریم ﷺ کی عظمت ورفعت کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں خصوصیات آپ کو دے رکھی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں چند ایک قارئین کی نظر کی گئی ہیں۔



ابوعبداللہ

دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ دسمبر کے درست جوابات

① تفسیر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر قرطبی، تفسیر سعدی، تفسیر احسن البیان۔

② نبی ﷺ کی چھ پھوپھیاں تھیں: صفیہ، ام حکیم البیضا، عاتکہ، امیمہ، اروی، برہ۔

③ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: صفر (مہینے کی نحوست) کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

④ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو جن معجزات سے نوازا گیا درج ذیل ہیں: مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اڑنے لگتا، پیدائشی اندھے اور برص والے کو تندرست کردیتے، مردوں کو زندہ کردیتے، لوگ جو کچھ کھاتے یا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے اس کی خبر دے دیتے۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

محمد مدثر یوسف (لاہور) محمد یٰسین (کراچی) عبدالرحمٰن، محمد سمیع (خانیوال)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① حلوے اور قورمے کھانا کون سا مشکل کام ہے!

② تاریخ عالم میں اتنی لطافت سے کسی اور کی سیرت جمع کرنے کا تصور بھی محال ہے۔

③ ہمارے اس عمل سے دوسروں کی حق تلفی تو نہیں ہو رہی؟

④ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① نبی ﷺ کے کوئی سے پانچ معجزات تحریر کریں۔

② نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام کیا تھا؟

③ پہلی وحی کے موقع پر آپ ﷺ کی عمر کتنی تھی؟

④ اسراء ومعراج میں کیا فرق ہے؟



میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر رسوم ورواج

تعلیماتِ نبویہ کی روشنی میں.....ایک تحقیقی کاوش

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ اعداد: حافظ شبیر صدیق

خطبہ مسنونہ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آل عمران 31:3) اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تاکہ ہمیں اللہ رب العزت کا پیغام سنائیں اور ہماری رہنمائی کریں۔ اور ہمیں اس راستے پر چلانے کی کوشش کریں جو جنت کی طرف جاتا ہے۔ ہمیں جہنم سے بچائیں۔

بعثتِ انبیاء کا مقصد اطاعت انبیاء ہے

تو یہ سب باتیں کب حاصل ہوں گی؟ جب ہم اپنے نبی کی اتباع کریں گے۔ اللہ رب العزت کسی قوم کی طرف کسی نبی کو مبعوث کیوں کرتا ہے؟ تاکہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ان کی بعثت میں ایک ہی مقصد کارفرما ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔'' (النسآء 64:4)

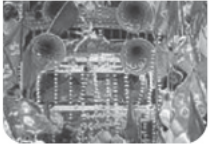
اور یہ اطاعت بھی باذن اللہ، اللہ کے اذن اور اللہ کے امر سے ہے۔ یہ کوئی اختیاری یا ذوقی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا امر اور اس کا اذن ہے۔

رسولوں کو کیوں بھیجا گیا؟ تاکہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اس لیے نہیں کہ ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس لیے بھیجا گیا کہ ان کے فرمان کو، ان کے عمل کو پوری دنیا پر مقدم قرار دیا جائے۔ اس لیے نہیں کہ کسی اور کی بات یا کسی اور کے فعل کو نبی پر مقدم قرار دیا جائے۔ اس لیے بھیجا گیا کہ پورے شرحِ صدر اور بصیرت کے ساتھ نبی کی اتباع کی جائے۔ اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ ان کے قول وعمل کو خود ساختہ تاویلوں اور خود ساختہ قواعد سے ٹالنے کی کوشش کی جائے۔

اتباع کی حقیقت

آج یہ بتانا ہے کہ نبی ﷺ کی اتباع کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بات معلوم ہے کہ ہماری ہدایت نبی کی اتباع پر قائم ہے۔ ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ ''اگر تم میرے پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔'' (النور 54:24) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ رب العزت کی رضا اور اس کی محبت کو حاصل کرنے کے لیے صرف نبی کی اتباع ضروری ہے۔ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ رب العزت کی محبت کے طلب گار ہو تو میری اتباع کرو۔ تم سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگے گا اور تمھارے تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔'' (آل عمران 31:3)

اس اتباع کی حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ جو عمل آپ کر رہے ہیں وہ عمل نبی علیہ السلام سے ثابت ہو۔ دین کا کوئی بھی کام اس وقت تک نہیں کرنا جب تک اس کام کا ثبوت نبی علیہ السلام سے نہ ملے۔ اور اس کے متعلق بہت سی چیزیں ہیں۔ صرف عمل کافی نہیں ہے بلکہ اس عمل کا اگر کوئی سبب ہے تو وہ سبب بھی



نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس عمل کی کوئی جنس ہے تو وہ جنس بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس عمل کی کوئی کیفیت ہے تو وہ کیفیت بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس عمل کی کوئی مقدار ہے تو وہ مقدار بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ وہ عمل اگر کسی زمانے کے ساتھ مقرون اور مشروط ہے تو اس زمانے کا بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس عمل کا تعلق اگر کسی جگہ سے ہے، کسی مکان سے ہے تو اس جگہ کا بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ یہ چھ چیزیں ہیں:

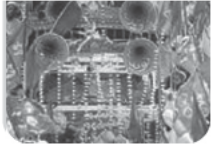
① عمل کا سبب
② عمل کی جنس
③ عمل کی کیفیت
④ عمل کی مقدار
⑤ عمل کا زمانہ
⑥ عمل کی جگہ

ان تمام چیزوں کا ثابت ہونا ضروری ہے تب وہ عمل نبی علیہ السلام کی اتباع کے دائرے میں ہوگا۔ اور اگر کوئی چیز ختم ہوجائے، اس کی نفی ہوجائے تو وہ عمل قطعاً مسنون نہیں ہوسکتا۔

① پہلی چیز عمل کا سبب ہے۔ جو عمل آپ کر رہے ہیں اگر وہ عمل کسی سبب کے ساتھ جڑا ہوا ہے تو لازم ہے کہ وہ سبب نبی علیہ السلام سے ثابت ہو، جیسے سورج غروب ہوتا ہے تو ہم ایک نماز پڑھتے ہیں مغرب کی۔ مغرب کی نماز کا سبب غروب آفتاب ہے۔ یہ تین فرض ہم کیوں پڑھتے ہیں؟ یہ عمل مقرون ہے غروب آفتاب کے ساتھ۔ سوال یہ ہے کہ غروب آفتاب کے ساتھ نماز کی ادائیگی نبی علیہ السلام سے ثابت ہے؟ جی ہاں۔ طلوع فجر جب ہوتی ہے تو ایک نماز ہم پر فرض ہوتی ہے اور وہ فجر کی نماز ہے۔ اب فجر کی نماز ایک عمل ہے جو کہ مقرون ہے ایک سبب کے ساتھ اور وہ سبب ہے طلوع فجر۔ اور یہ پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے۔ لہٰذا صرف عمل کو نہ دیکھا جائے، اس عمل کا اگر کوئی سبب ہے تو اس کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔ ستائیس رجب کو لوگ شب معراج کے نام سے رات کو قیام کرتے ہیں۔ بظاہر وہ تہجد کی نماز ہے۔ تہجد کی نماز میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اسے ایک سبب سے جوڑا جاتا ہے، ایک سبب سے مقرون کیا جاتا ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ آج کی رات معراج کی رات ہے۔ عمل درست ہے، تہجد کا عمل درست ہے لیکن جس سبب کے ساتھ اس کو جوڑا گیا اور مقرون کیا گیا وہ سبب نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے اور ضروری ہے کہ جس سبب پر آپ کسی عمل کو قائم کریں گے تو اس عمل کے ساتھ ساتھ اس عمل کا سبب بھی پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہو۔

② اسی طرح جنسِ عمل ہے۔ اگر کسی عمل کی کوئی جنس ہے اور وہ عمل اس جنس کے ساتھ پورا ہوتا ہے تو اس جنس کا بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ آپ قربانی کرتے ہیں اونٹ کی، گائے کی، بکرے کی، دنبے کی، یہ ساری اجناس ثابت ہیں، لہٰذا قربانی درست ہے اور جنس بھی ثابت اور درست ہے۔ اگر آپ یہ حجت پیش کریں کہ ہرن کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور یہ ناپید ہے اور بہت مہنگا ملتا ہے تو میں کثرتِ ثواب کے لیے ہرن کی قربانی دیتا ہوں۔ وہ جانور ہے لیکن یہ جنس اللہ کے پیغمبر سے ثابت نہیں ہے۔ قربانی آپ کرلیں گے، ذبح کردیں گے لیکن یہ جنس نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ عمل کی جنس بھی پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہو۔ صدقۃ الفطر کی اجناس ہیں کچھ۔ اگر آپ کہیں کہ میں زیادہ اجر کے لیے کسی مہنگی جنس کا تعین کرتا ہوں، جیسے بادام ہیں، پستے ہیں، چلغوزے ہیں۔ آج کل بڑے قیمتی ہیں تو میں ان اجناس کا صدقہ دیتا ہوں۔ رقم بہت خرچ ہوئی لیکن ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ آپ نے عمل کو جس جنس پر قائم کیا ہے وہ پیغمبر علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ عمل کے تعلق سے اگر کوئی جنس ہے تو اس جنس کا پیغمبر علیہ السلام سے ثبوت ہو۔

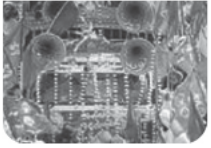
③ اسی طرح عمل کی کیفیت ہے۔ اس عمل کی اگر کوئی کیفیت ہے تو اس کیفیت کا بھی پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ جیسے نماز ہے۔ اس کی ایک کیفیت ہے۔ قیام سے شروع ہوتی ہے، پھر رکوع ہیں، سجود ہیں، تشہد ہے۔ اگر آپ اس کیفیت کو معکوس کردیں۔ تشہد سے شروع کریں پھر سجود اور رکوع اور قیام ہو، یہ ترتیب معکوس ہے۔ اور یہ کیفیت پیغمبر علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ صفتِ عمل میں، کیفیتِ عمل میں اگر کوئی چیز بھی نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے وہ عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ جیسے مسیئ الصلاۃ کی حدیث ہے۔ اس نے پیغمبر علیہ السلام کے سامنے نماز پڑھی۔ فرمایا: «اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» ''پھر پڑھو! یہ نماز نہیں ہوئی۔'' (صحيح البخاري: 757) اس کی نماز درست تھی، اس کی ترتیب بھی درست تھی۔ قیام بھی کیا، رکوع بھی، سجود بھی،



تشہد بھی۔ تحریم سے تسلیم تک سب کام کیے۔ ایک کام کی کمی رہ گئی تھی اور وہ اعتدال اور اطمینان تھا۔ اطمینان نہیں تھا، اعتدال نہیں تھا۔ رکوع سے اٹھتا اور پورے اطمینان سے قبل سجدے میں گر جاتا۔ سجدے سے اٹھتا تو پورے اطمینان سے قبل دوسرے سجدے میں گر جاتا۔ اس اعتدال کی کمی تھی۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا: یہ نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھو! تو یہ کیفیت کا ایک فرق تھا۔ ثابت یہ ہوا کہ یہ کیفیت بھی ضروری ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہو۔ اگر آپ پورا عمل کر جائیں اور کیفیتِ عمل میں کہیں فرق آجائے تو پھر وہ عمل اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔ اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے ہر عمل کی کیفیت کے تعلق سے اتباع کا حکم دیا: «صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» ''نماز پڑھو بالکل ویسی جیسی میں پڑھتا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 631) «خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِي هَذَا» ''شاید یہ میرا آخری حج ہو اور اس کے بعد مجھے تمھارے ساتھ حج کا موقع نہ ملے، لہٰذا اچھی طرح میرا طریقۂ حج دیکھ لو۔'' (صحيح مسلم: 1297، وسنن النسائي: 3062) اس کی اتباع کرو، اسی کی تشہیر کرو، تاکہ میرے طریقۂ حج کو لوگ سنیں، سمجھیں اور اس کے مطابق حج کریں، کیونکہ ضروری ہے ہر عمل کی کیفیت پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہو۔

④ اسی طرح مقدارِ عمل ہے۔ اگر کسی عمل کی مقدار کا آپ تعین کرتے ہیں تو اس کی دلیل پیش کرنی پڑے گی۔ آپ ظہر کی چار رکعات کیوں پڑھتے ہیں؟ عصر کی چار رکعات کیوں پڑھتے ہیں؟ مغرب کی تین رکعات کیوں ہیں اور فجر کی دو رکعتیں کیوں ہیں؟ یہ عمل کی مقدار ہے۔ اس کو ثابت کرنا پڑے گا۔ اور اگر آپ کسی عمل کی کوئی مقدار طے کرلیں، اس پر عمل شروع کردیں، سوائے ایسے عمل کے جس کی مقدار کے تعین کا شریعت نے اختیار دیا ہے جیسے اذکار ہیں۔ اذکار کا تعین آپ اپنے اوقات کو دیکھ کر کرسکتے ہیں۔ آپ دن میں ایک پارہ پڑھیں، دو پارے پڑھیں یا کوئی ذکر آپ سو دفعہ کریں، پانچ سو دفعہ کریں، اپنے اوقات کے مطابق اس کا تعین آپ کرسکتے ہیں، البتہ وہ اذکار جن کا تعین پیغمبر علیہ السلام سے تعداد کے ساتھ ثابت ہے، جیسے نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمدللہ اور تینتیس بار اللہ اکبر اور سو کا عدد پورا کرنے کے لیے «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٍ» (صحيح مسلم: 597) یہ مقدار نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ تو کوئی بھی عمل ہو، اس کی مقدار کا تعین پیارے پیغمبر فرمائیں گے۔ اسی لیے ہم دعوت دیتے ہیں کہ رمضان کی تراویح آٹھ ہی سنت ہیں۔ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام رمضان میں کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ آپ نے مسئلے کو دوٹوک انداز سے بیان کیا اور کہا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان ہو، پیارے پیغمبر نے رات بھر گیارہ رکعات سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی تھیں۔ (صحيح البخاري: 1147) یہ تعداد کا تعین ہے۔ اس تعداد پر اضافہ کریں گے وہ اضافہ ثابت نہیں ہے۔ آپ کہیں گے: یہ تو طعن ہے امیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر جن کے دور میں بیس رکعات پڑھی گئیں۔ جواب یہ ہے کہ بیس رکعات کی جتنی بھی اسناد ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور صحیح بخاری کی اس حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اس لیے وہ ناقابلِ التفات ہیں۔ لہٰذا کسی بھی عمل کی مقدار ہے تو اس مقدار کو بھی نبی علیہ السلام سے ثابت کرنا پڑے گا۔ تب وہ عمل اتباع کے دائرے میں آئے گا۔ اگر عمل ہو، خواہ کتنا ہی معتبر ہو مگر اس کی تعداد آپ کی طرف سے ہو اور مشروع تعداد کے خلاف ہو تو پھر وہ عمل مردود ہے اور ناقابلِ قبول ہے۔ عمل کی مقدار بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہوگی تب وہ قابلِ قبول ہوگا۔

⑤ اسی طرح اگر کوئی عمل کا زمانہ ہے۔ کوئی عمل آپ کسی زمانے کے ساتھ مربوط کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس زمانے کو بھی نبی علیہ السلام سے ثابت کیا جائے کہ جب بھی وہ وقت آیا، وہ زمانہ آیا تو پیغمبر علیہ السلام نے وہ عمل کیا۔ جیسے ہر سال رمضان کا مہینہ آتا ہے۔ یہ پورا ایک مہینہ ایک زمانہ ہے جس میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ روزہ ایک عمل ہے اور یہ ایک زمانے سے مربوط ہے۔ شوال میں نہیں ہوتے۔ ذوالحج میں نہیں ہوتے۔ صرف رمضان میں ہوتے ہیں۔ یعنی جو عمل آپ ایک زمانے سے مربوط کرکے کرتے ہیں وہ زمانہ پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے۔ اس زمانے کو اگر آپ تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے، رمضان کے روزے آپ شوال میں رکھیں، رجب میں رکھیں تو وہ قابلِ



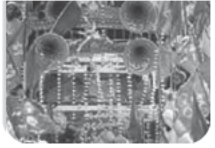
قبول نہیں ہوں گے کیونکہ عمل کا زمانہ پیارے پیغمبر نے متعین کر دیا اور وہ ماہِ رمضان ہے جس کو ماہِ صیام قرار دیا گیا ہے۔ حج کا ایک زمانہ ہے۔ اس زمانے میں حج کرنا پڑے گا جو کہ آٹھ یا نو ذوالحجہ سے شروع ہوتا ہے اور بارہ یا تیرہ ذوالحج تک وہ عمل قائم رہتا ہے جیسا کہ احادیث ہیں۔ اگر آپ یہ عمل اس زمانے کے علاوہ کریں گے کہ میں شوال میں فارغ ہوتا ہوں حج کرلوں۔ رش سے بچ جاؤں گا، وہ عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اس عمل کی تحدید ایک زمانے کے ساتھ ہے اور اس کو ایک زمانے سے جوڑا گیا ہے، مربوط کیا گیا ہے، یہ عمل اس زمانے میں معتبر ہوگا۔ اور آپ کسی بھی عمل کو اگر کسی زمانے سے مخصوص کرتے ہیں تو اس زمانے کو پیغمبر علیہ السلام سے ثابت کرنا پڑے گا ورنہ وہ عمل نا قابلِ قبول ہے۔

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

یہیں سے ہمارا سوال ہے کہ بارہ ربیع الاول، اس میں ایک عمل ہر سال کیا جاتا ہے، بڑھ چڑھ کر کیا جاتا ہے۔ اور ایک خاص عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے جس کو جلوسوں اور ریلیوں کا نام دیا جاتا ہے اور اس کو اظہار خوشی کی اساس قرار دیا جاتا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی محبت کا مظہر قرار دیا جاتا ہے۔ تو کسی بھی عمل کا کسی زمانے سے مربوط ہونا اتباع کے تحت ہے اور شرعی دلیل کا متقاضی ہے۔ تو اس عمل کو ایک زمانے سے مربوط کیا گیا، پہلے اس عمل کو ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے زمانے کو ثابت کرنا پڑے گا۔ اور یہ دونوں چیزیں کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہیں۔ نہ یہ عمل اور نہ اس عمل کا زمانہ۔

پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ جن کی پیدائش کی خوشی میں سارے اہتمام کیے جاتے ہیں، منصبِ رسالت سنبھالنے کے بعد تیئس دفعہ یہ دن آپ کی زندگی میں آیا، آپ نے کبھی اس کا اہتمام کیا ہو؟ آپ کی وفات کے بعد خلافة على منهاج النبوة تیس سال تک قائم رہی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے خلیفہ منتخب ہوئے اور یہ تیس سالہ دور ہے خلافة على منهاج النبوة کا، خلافت راشدہ کا جس کی تحدید پیغمبر علیہ السلام نے خود فرمائی ہے۔ اس زریں دور میں بھی تیس دفعہ یہ دن آیا اور کبھی یہ اہتمام نہیں کیے گئے۔ صحابہ کا دور تقریباً 80 ہجری تک قائم رہا اور ان اسی سالوں میں کبھی یہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد تابعین کا دور آیا جو ائمہ ملت اور محدثین کا دور ہے، فقہاء کا دور ہے۔ ان ادوار میں بھی کبھی اس عمل کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ تو یہ عمل اور اس عمل کا زمانہ ان دونوں چیزوں کو محکم دلائل سے ثابت کرنا پڑے گا۔ اور دلیل کوئی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس دور کو خیر القرون کہا، فرمایا کہ «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ» ''سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، اس کے بعد اگلا زمانہ، پھر اگلا زمانہ اور آپ نے تین ادوار کے بعد فرمایا: پھر فتنے ہوں گے۔'' (صحيح البخاري: 2652) تو جو دور خیر القرون ہے اور بہترین دور ہے ان ادوار میں اس عمل کو ثابت کرنا پڑے گا۔ اور خیر القرون میں ائمہ ملت میں سے بھی کچھ کا دور آجاتا ہے جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ جن کی تقلید اس ملک میں عام ہے، انھی سے کم از کم ثابت کر دیا جائے اس عمل کا اہتمام۔ لیکن کوئی اس کو ثابت نہیں کر سکتا۔

یہ کئی صدیوں کے بعد مصر میں ایک فاطمی خاندان جس کی اساس غلط نسب پر اور ضلالت پر تھی انھوں نے ترویج دیا۔ اس کے بعد سے رائج رہا، آج تک چلا آرہا ہے مختلف رویوں کے ساتھ، رنگوں کے ساتھ اور مختلف کیفیتوں کے ساتھ اور ہر سال کیفیتیں تبدیل ہو رہی ہیں۔ اور یہ بھی اس عمل کے بدعت ہونے کی ایک دلیل ہے۔ سنت جب سے شروع ہوئی ہے آج تک ایک ہے اور قیامت تک ایک ہی رہے گی۔ مشرق میں بھی وہی، مغرب میں بھی وہی، شمال میں وہی، جنوب میں وہی، عرب میں وہی، عجم میں وہی۔ بدعت ایک ایسی چیز ہے جو ہر سال رنگ بدلتی ہے اور ہر مقام پر رنگ بدلتی ہے۔ اس بارہ ربیع الاول کو منانے کے اہتمامات مصر میں کچھ اور ہیں، ایران میں کچھ اور ہیں، ہندوستان، پاکستان میں کچھ اور ہیں۔ یہ بھی ایک دلیل ہے کہ یہ سنت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ سنت کا ایک ہی رنگ ہے، اس میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔ ہاں بدعت اپنے رنگ تبدیل کرتی رہتی ہے۔ تو پھر یہ عمل اور اس عمل کا زمانہ دونوں چیزوں کو ثابت کرنا پڑے گا جو کہ قطعاً ثابت نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث سے تہتر فرقوں کی نشاندہی کی۔ میری امت میں تہتر فرقے ہوں

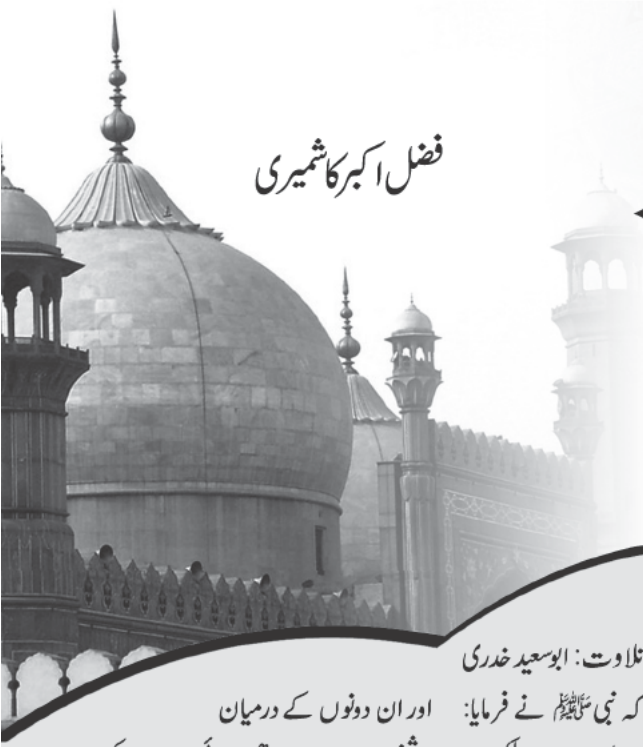


گے۔ «كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً» ''سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔'' صحابہ نے پوچھا: وہ ایک کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «هُمْ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي» ''یہ ایک گروہ وہ ہے جو اس چیز پر قائم ہو جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔'' (سنن ابن ماجه: 3993، ومستدرك حاكم: 174/1) آپ نے یہ حدیث بالکل دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمائی۔ یہ جوامع الکلم میں سے ہے۔ اور یہ حدیث قاطع النزاع ہے، یعنی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو ملت اور جماعت اس پر قائم رہے گی وہ جنتی ہے، فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہے۔ اور جو اس راستے سے ہٹ گیا وہ جہنمی گروہ ہے۔ تو پھر یہ عمل پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ کرام سے کم از کم ثابت کیا جائے۔ صحابہ کے دور میں ہوا ہو۔ حالانکہ صحابہ سے بڑھ کر پیغمبر علیہ السلام سے محبت کرنے والا اور پیار کرنے والا کون ہے؟ وہ حقیقتاً اللہ کے نبی سے محبت کرتے تھے۔

جنگ بدر کے موقع پر مقداد بن اسود نے کہا تھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے بہت سی دعائیں کرلیں، اب پریشان نہ ہوں۔ یہاں تک آپ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ یااللہ! اگر یہ جماعت آج میدانِ بدر میں ہلاک ہوگئی تو پھر قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں پیدا ہوگا۔ (صحيح البخاري: 3953) بڑی مشکل سے یہ اکٹھی ہوئی ہے۔ مقداد نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! «لَسْنَا أَصْحَابَ مُوسَىٰ» ''ہم کوئی قومِ موسیٰ نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کو خبر دی تھی کہ فلاں علاقے میں داخل ہوجاؤ، داخل ہونا ہی فتح کی علامت ہے۔ مگر قومِ موسیٰ نے انکار کردیا۔ اگر فتح اتنی آسان ہے تو موسیٰ! تم چلے جاؤ، تمھارا رب چلا جائے۔ ہمیں اطلاع کردینا کہ علاقہ فتح ہوگیا ہے ہم بھی پہنچ جائیں گے۔ فرمایا کہ «وَلٰكِنْ نُقَاتِلُ عَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ يَسَارِكَ وَأَمَامِكَ وَخَلْفِكَ» ''ہم لڑیں گے آپ کے آگے، آپ کے پیچھے، آپ کے دائیں اور آپ کے بائیں۔ جہاں آپ کے پسینے کا قطرہ گرے گا وہاں اپنے گلے کٹوادیں گے اور خون بہادیں گے۔'' (صحيح البخاري: 3952) کتنا عظیم جملہ، اتنی محبت کا مظہر، محبت کا مظہر ہے یہ جملہ۔ صحابہ کرام کو نبی علیہ السلام سے محبت تھی۔ اپنا جان و مال آپ پر فدا کرنے کے لیے تیار تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کچھ قربان کیا، لٹادیا اپنے پیارے پیغمبر پر، آپ کی عزت پر اور آپ کے دین پر۔ اس طرح سارے صحابہ کے کچھ نہ کچھ واقعات ملتے ہیں جو پیارے پیغمبر کی محبت کا مظہر ہیں۔ اور اگر یہ بھی محبت کی اساس ہوتی تو صحابہ کرام یہ کام بڑھ چڑھ کر کرتے۔ اگر نبی کی محبت میں گلے کٹوا سکتے تھے تو یہ کام کون سا مشکل ہے! حلوے اور قورمے کھانا کون سا مشکل ہے! جلوس اور ریلیوں کا اہتمام کون سا مشکل ہے۔ چراغاں کرنا کون سا مشکل ہے۔ لیکن صحابہ سے ایسا کوئی اہتمام ثابت نہیں ہے۔ تو عمل، اس کی کیفیت، اس کا زمانہ، یہ تمام چیزیں ثابت ہوں گی تو پیغمبر کی اتباع میں آئیں گی، اگر کوئی چیز نفی ہوگئی تو پیغمبر کی اتباع سے خارج ہے۔

⑥ اسی طرح اگر وہ عمل کسی مکان یا جگہ سے منسلک ہے تو اس مکان اور جگہ کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ جس طرح طواف بیت اللہ کا ہے اور یہ وہیں کی عبادت ہے۔ اگر آپ طواف کہیں اور کریں گے تو وہ طواف کا محل نہیں ہے، طواف کی جگہ نہیں ہے۔ اس کو ثابت کرنا پڑے گا، طواف ثابت ہے لیکن طواف کا محل ثابت کرنا پڑے گا۔ جیسے بہت سے بدبخت لوگوں نے آج سیہون کے حج کی اختراع ڈالی ہوئی ہے کہ بیت اللہ کا حج امیروں کا حج ہے اور سیہون کا حج غریبوں کا حج ہے۔ طواف اور سعی جیسی مذموم حرکات وہاں پر کرتے ہیں۔ طواف ایک عبادت ہے، اس عبادت کا محل اللہ کا گھر ہے اور یہ ثابت ہے۔ کسی اور مقام پر یہ طواف کریں گے وہ ثابت نہیں ہے۔ ان کا ذہن ہے کہ ہم طواف ہی تو کررہے ہیں کون سا گناہ کا کام کررہے ہیں۔ نہیں۔ طواف عبادت ہے لیکن جو محل کا تعین کیا گیا وہ محل پیغمبر علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ ''کوہِ مراد'' تربت میں ایک پہاڑ ہے، ذکری فرقہ وہاں حج کرتا ہے، طواف کرتا ہے۔ تو یہ نہ سمجھیں کہ طواف ایک عبادت ہے، عمل تو اچھا ہورہا ہے۔ نہیں۔ یہ طواف کا محل نہیں ہے۔ یہ طواف کی جگہ نہیں ہے۔ جو نیکی کسی جگہ سے مربوط ہوگی ضروری ہے کہ وہ جگہ پیارے پیغمبر کی سنت سے اور پیارے پیغمبر کے فرمان سے ثابت کرو۔ خالی عمل نہیں دیکھا جائے گا، عمل کا محل اور مقام دیکھا جائے گا۔ عرفہ، نو ذوالحج، عرفہ کا وقوف، یہ عبادت مکان اور زمان دونوں کے ساتھ مربوط ہے۔ عرفہ کا وقوف 9 ذوالحجہ کو ہوگا، اگر آٹھ کو کریں گے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ دس کو کریں گے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

بقیہ صفحہ: 52 پر



حصولِ نور کے اسباب

فضل اکبر کاشمیری

① **وضو:** ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: «كَيْفَ تَعْرِفُ أُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ» ''آپ اپنی امت کو (میدانِ حشر میں) دوسری امتوں کے (بے شمار لوگوں کے) درمیان کیسے پہچانیں گے؟«قَالَ: هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَ أَحَدٌ كَذَالِكَ غَيْرَهُمْ» ''فرمایا: وہ وضو کے اثر سے سفید (نورانی) چہرے اور سفید (نورانی) ہاتھ پاؤں (والے) ہوں گے۔ اس طرح سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہوگا۔'' (مسند أحمد: 199/5)

② **نماز:** رسول اللہ ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: «مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''جس نے نمازوں کی حفاظت کی، قیامت کے دن یہ نماز اس کے لیے نور، دلیل اور نجات کا سبب ہوگی۔'' (مسند أحمد: 6576، صحيح ابن حبان: 1467)

③ **مسجد کی طرف چلنا:** سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوشخبری دو اندھیروں میں (نماز کے لیے) مسجدوں کی طرف چلنے والوں کو، ساتھ پورے نور کے قیامت کے دن۔'' (جامع الترمذی: 223)

④ **سورۃ الکہف کی تلاوت:** ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے جمعہ والے دن سورۃ الکھف کی قراءت کی اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور روشن ہوجاتا ہے۔'' (بیہقی: 349/3، المستدرک: 2/ 367) اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ ''جس نے جمعہ والے دن سورۃ الکھف کی تلاوت کی اس کے لیے اس کے اور بیت اللہ کے درمیان نور روشن ہوجاتا ہے۔'' (بیہقی: 249/3، والسلسلة الصحيحة: 2651)

⑤ **سورۃ البقرۃ اور سورۃ ال عمران:** سیدنا نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن قرآن مجید اور ان لوگوں کو جو اس پر عمل کرنے والے تھے لایا جائے گا ان کے آگے سورۃ البقرۃ اور سورۃ ال عمران ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سورتوں کے لیے تین مثالیں ارشاد فرمائی ہیں جنھیں میں اب تک نہیں بھولا وہ اس طرح سے ہیں جس طرح کے دو بادل ہوں یا دو سیاہ سائبان ہوں اور ان دونوں کے درمیان روشنی ہو یا صف بندھی ہوئی پرندوں کی دو قطاریں ہوں وہ اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی۔'' (صحیح مسلم: 806)

⑥ **اللہ کے لیے محبت کرنا:** نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو نبی ہوں گے نہ شہید، مگر قیامت کے روز اللہ کے ہاں (بلند) مراتب و منازل کی وجہ سے انبیاء وشہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں بتائیں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپس میں اللہ کی کتاب (یا اللہ کے ساتھ محبت) کی بنا پر محبت کرتے تھے۔ حالانکہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ ناتا یا مالی لین دین نہ تھا۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ لوگ نور پر ہوں گے۔ جب لوگ خوف زدہ ہورہے ہوں گے، تو انھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ جب لوگ غمگین و پریشان ہورہے

ہوں گے، تو انھیں کوئی غم اور پریشانی نہ ہوگی۔ آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ آگاہ رہو! اللہ کے ولیوں کو کوئی خوف نہ ہوگا، نہ وہ غم کھائیں گے۔(سنن أبي داود: 3527)

⑦ **عدل و انصاف:** عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں رحمان عزوجل کے دائیں ہاتھ نور کے منبروں پر ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو فیصلے میں عدل کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں میں اور جس کے بھی وہ ذمہ دار ہیں عدل کرتے ہیں۔''(صحيح مسلم: 1827)

⑧ **سفید بال:** عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سفید بال ختم نہ کرو وہ مسلمان کا نور ہے، جس کا حالتِ اسلام میں بال سفید ہوتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اس کے بدلہ میں اس کی ایک غلطی ختم کر دیتا ہے اور اس کے بدلہ میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔''(سنن أبي داود: 4202)

⑨ **قبر میں سوالات کے صحیح جوابات:** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب میت قبر میں پہنچ جاتی ہے دو کالے سیاہ نیلی آنکھوں والے فرشتے اُس کے پاس آتے ہیں ایک کا نام ''منکر'' اور دوسرے کا نام ''نکیر'' ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: تم اس آدمی (آپ ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ جواباً کہتا ہے: آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے قابل نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ فرشتے کہیں گے: ہمیں علم تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ چوڑی اور ستر ہاتھ لمبی کر دی جائے گی اور اسے روشن کر دیا جائے گا۔''(جامع الترمذي:1071)

⑩ **تلاوتِ قرآن:** ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دورانِ شب بارش میں اپنے کھلیان میں تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ اچانک ان کا گھوڑا بدکنے لگا۔ وہ رک گئے۔ پھر پڑھنے لگے تو وہ بھی بدکنے لگا۔ پھر پڑھنے لگے تو وہ بھی بدکنے لگا۔ اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ میرے بیٹے یحییٰ (جو کہ اس کے قریب سو رہا تھا) کو روند نہ ڈالے۔ میں نماز ختم کر کے اس کی طرف گیا کہ اچانک مجھے اپنے اوپر ایک چھتری نما چیز نظر آئی جس میں چراغوں کی مانند روشنیاں جگ مگ کر رہی تھیں اور وہ چھتری نما سائبان فضا میں بلند ہوتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا..... وہ بیان کرتے ہیں کہ میں صبح نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! گزشتہ رات میں اپنے کھلیان میں تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک میرا گھوڑا بدکنے لگا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: ''اے بن حضیر! تم پڑھتے رہتے۔ میں نے کہا: میں پڑھتا رہا۔ لیکن وہ پھر بدکنے لگا۔ آپ نے پھر کہا کہ تم پڑھتے رہتے۔ اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پڑھنے لگا تو وہ پھر بدکنے لگا۔ آپ نے فرمایا: تم پڑھتے رہتے۔ اسید رضی اللہ عنہ نے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا کہ میں نماز سے اس لیے پھر گیا کہ میرا بیٹا یحییٰ اس کے قریب سو رہا تھا میں ڈر گیا کہ کہیں وہ اسے روند نہ ڈالے، تو اچانک میں نے ایک چھتری نما چیز دیکھی جس میں چراغوں کی طرح روشنیاں تھیں وہ لحہ بہ لحہ بلند ہوتی جا رہی تھیں اور آخر کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں، تو نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے: یہ تو فرشتے تھے جو تمھاری قراءت سن رہے تھے۔ اگر تم تلاوت میں مشغول رہتے تو صبح لوگ ان کو دیکھ لیتے اور یہ ان سے پوشیدہ نہ رہتے (صحيح البخاري:5011، و صحيح مسلم: 796)

تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّمِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَمِنْ أَمَامِيْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَّأَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَّعَظِّمْ لِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا فِيْ عِظَامِيْ وَزِدْنِيْ نُوْرًا وَّزِدْنِيْ نُوْرًا وَزِدْنِيْ نُوْرًا وَّهَبْ لِيْ نُوْرًا عَلٰى نُوْرٍ.(صحيح البخاري: 6316، وصحيح مسلم: 763، ومسند أحمد: 343/1، والأدب المفرد: 695)



باطل پر ایمان لانے کا مطلب

حافظ عبدالوحید سوہدروی

حکم خداوندی ہے کہ حق پر ایمان لاؤ اور باطل سے انکار کرو۔ اس حکم پر عمل تب ہی ممکن ہے جب آدمی حق اور باطل دونوں کو پہچانے۔ جب دونوں کی پہچان نہ ہوگی تو اکثر اوقات آدمی حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ بیٹھتا ہے یا پھر دونوں میں گڈ مڈ کر کے صحیح راستہ کھو دیتا ہے اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ درحقیقت حق اور باطل کی وضاحت تو وہی کرسکتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور وہ عالی ذات باری تعالیٰ کی ہے۔ جس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے کھرے اور کھوٹے کو واضح کردیا ہے۔ مگر افسوس کہ ہر زمانے میں انسانوں کی اکثریت نے خدائی معیارِ حق و باطل کو پسِ پشت ڈال کر اپنے اپنے معیار قائم کرلیے۔ سب سے زیادہ افسوس تو ہمیں اپنے آپ پر ہوتا ہے جن پر اللہ جل شانہٗ نے سائنسی ترقی کے دروازے کھول دیے ہیں جن سے کلماتِ حق کی ہر لحہ تائید ہورہی ہے۔ مگر جس نے اندھا بنے رہنا ہو اسے کون راہ دکھا سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ”جو لوگ باطل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں وہی نقصان میں رہنے والے ہیں۔“ (العنکبوت 52:29)

بظاہر باطل پر ایمان لانا عجیب سا لگتا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ لوگوں کی اکثریت باطل پر ایمان رکھتی ہے جس میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ یہاں ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں کہ باطل کا کوئی کلمہ پڑھتے ہیں بلکہ اسے یقینی طور پر تسلیم کرلینے کو ہی اس پر ایمان لانا کہا گیا ہے۔ اب یہ نکتہ درج ذیل مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ آج کے ماڈرن دور کی نصابی کتب میں باطل کو کس طرح پروموٹ کیا جاتا ہے اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

انسان کی پیدائش کے بارے میں قریباً پونے دوسو سال قبل ڈارون نے یہ تھیوری پیش کی کہ انسان بہت سارے ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا ایک زمانے میں بندر اور بن مانس بنا رہنے کے بعد آج کی مکمل انسانی شکل تک پہنچا ہے۔ یہ نظریہ دنیا کے بیشتر ممالک میں پڑھایا جاتا ہے اور طلباء کی اکثریت اس نظریے کی قائل ہوجاتی ہے۔ یہ قائل ہونا اور اس پر یقین کرلینا ہی ایمان لانا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ بروئے قرآن سراسر باطل ہے، لہٰذا اس کو ماننا باطل پر ایمان لانا ہے۔ کئی نام کے مسلمان بھی اس نظریۂ باطل کے قائل ہیں۔ جنھیں اسلامی معاشرے میں اس کے اظہار کی جرأت نہیں ہوگی مگر غیر اسلامی معاشرے میں ان کی پہچان آسانی سے ہوجاتی ہے۔ ان عقل کے اندھوں سے بندہ پوچھے کہ آج ہم کئی ہزار سال تک کی اپنی مرتب کردہ تاریخ قبل مسیح اور بعد مسیح سے تو واقف ہیں ہی مگر اس عرصے میں کسی نے بندر یا بن مانس کو انسان بنتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ اب ارتقائی مراحل رک کیوں گئے ہیں؟ اب تو انسان کو اس سے آگے کوئی اور بہتر مخلوق بن جانا چاہیے تھا۔ جس دور کے ارتقائی مراحل کا تم ذکر کرتے ہو اس کا تمھارے پاس ثبوت کیا ہے؟ ماسوائے ذہنی ٹکریں مارنے کے۔ تم خود تو



ابھی چار دن کی پیداوار ہو اور ٹکریں مارتے ہو ہزاروں سال پیچھے کی۔ دیکھا آپ نے کس طرح انسان خود ہی جھوٹ اور باطل گھڑ کے دوسروں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس نظریے کو مانتے ہیں وہی باطل پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمیں تو اپنے آپ یا باپ دادا کو بندر و بن مانس کی اولاد کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مگر یہ صاحب تو اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھنے میں کوئی عار ہی نہیں سمجھتے۔ گویا اپنے بزرگوں کی یہ تعظیم کہ انھیں بندر یا بن مانس قرار دے رہے ہیں اور خود انسان بنتے ہیں، حالانکہ اللہ کے نزدیک معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمان الٰہی ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ﴾ ''یہ لوگ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔'' (الأعراف 179:7)

دوسری مثال سب جانتے ہیں کہ اسلام میں شرک اور بدعت کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ اب اپنے گردوپیش نظر دوڑا کر دیکھیے کہ کتنے لوگ دعوائے ایمانی کے باوجود ان دونوں پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ان کو درست سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہیں۔ یہی مطلب ہے ایمان لانے کا وگرنہ کوئی بھی شرک اور بدعت کا کلمہ نہیں پڑھتا۔ ایسے لوگوں کو آپ ہزار سمجھائیے مگر وہ انھیں باطل ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ الٹا آپ کا سر پھوڑنے کو آئیں گے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کا دور یاد آجاتا ہے۔

تیسری مثال آج کل کی نام نہاد جمہوریت کو لیجیے جس کے بارے میں اس قسم کے دعوے کیے جاتے ہیں:

* ہمارے ملک کی بقا جمہوریت میں ہے۔
* جمہوری نظام ہی ہمیں درپیش مسائل سے نکال سکتا ہے۔
* جمہوریت ہی ہمارے مسائل کا حل ہے، وغیرہ وغیرہ۔

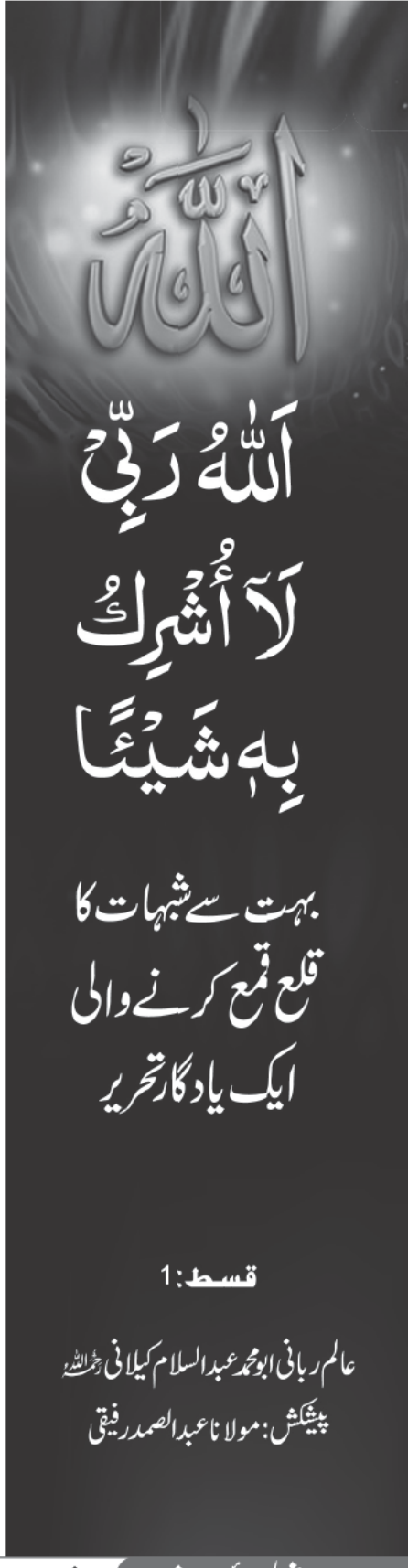
اگر مندرجہ بالا دعووں کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر اللہ کا وجود اور اس پر بھروسا کرنا کہاں گیا؟ پھر اسلامی نظام کے کیا معنی ہوئے؟ اللہ کی بجائے جب سارے مسائل جمہوریت ہی نے حل کرنے ہیں تو پھر اللہ پر ایمان لانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہی ہے وہ باطل جس پر دنیا کے اکثر ممالک ایمان رکھتے ہیں۔ کیا جمہوریت کی برکت سے مغربی ممالک کے سارے مسائل حل ہو چکے ہیں؟

چوتھی مثال، ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو بے ایمانی، دغابازی، دھوکا و فریب، چوری چکاری، حرام کی کمائی، سود و رشوت خوری اور اسی قسم کی دیگر بری خصلتوں کو برا کہنے کے باوجود ان میں ملوث ہیں۔ اگر ایمان یہ ہوتا کہ یہ سب امور حرام و باطل ہیں تو پھر ان میں ملوث ہی نہ ہوتے۔ یہ کیسا تضاد ہے کہ ایک کام کو باطل بھی سمجھتے ہو اور پھر عمل پیرا بھی اسی پر ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اخلاقی یا دینی کمزوری کی بناء پر ان گناہوں میں ملوث ہوجاتے ہیں جبکہ سمجھتے وہ ان کو گناہ ہی ہیں۔ مانا کہ کئی لوگ ایسے ہوں گے مگر سب ایسے نہیں ہوتے۔ جو شخص قبر کی دہلیز تک حرام خور ہی رہا ہو، یعنی حرام کے ذریعے حصولِ دولت پر اتنا یقین کہ اسے توبہ کا خیال تک نہ آئے۔ ایسے شخص کو آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا حلال کی کمائی پر ایمان ہے۔ لہٰذا یہ شخص باطل پر ایمان رکھنے والا ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حق ہے اور طاغوت باطل ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی﴾ ''پس جو کوئی طاغوت سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اسی نے مضبوط کڑا تھام لیا۔'' (البقرۃ 256:2)

غیر مسلم حکومتوں کے طاغوت ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں مگر بیشتر اسلامی ممالک کی حکومتیں بھی طاغوت کے زمرے میں آتی ہیں۔ کیونکہ طاغوت ہوتا ہی وہ ہے جو اللہ کے مقابلے میں اپنا حکم منوائے۔ آج کل اکثر اسلامی ممالک میں بھی غیر اسلامی قوانین کو بزورِ بازو نافذ کیا جاتا ہے۔ کم ازکم اس حد تک تو انھیں طاغوت کہا جاسکتا ہے۔ ایسے قوانین پر عمل کرنے کو طاغوت کی عبادت کرنا کہا جاتا ہے۔ ہاں ایسے طاغوت کی مجبوراً فرمانبرداری تو اللہ معاف کردے گا مگر بخوشی اطاعت اور معاونت باطل پر ایمان لانا ہے۔ بلکہ ہمارے سیاستدان تو بذریعہ انتخابات اس جمہوری اجتماعی طاغوت کا حصہ بننے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ ہاں اگر نیت اس نظام میں تبدیلی لانے کی ہو تو اللہ کے ہاں سرخروئی ہوگی۔ مگر ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

بقیہ: صفحہ 69 پر



بہت سے شبہات کا قلع قمع کرنے والی ایک یادگار تحریر

قسط:1

عالم ربانی ابومحمد عبدالسلام کیلانی رحمہ اللہ
پیشکش: مولانا عبدالصمد رفیقی

شرّ کی نسبت اللہ کی طرف نہیں

اللہ ہی میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا۔ وہ ازل سے ابد تک ہمیشہ سے ہمیشہ کی طرح ہمیشہ تک اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کے ذاتی نام میں کوئی شریک ہے۔ نہ اس کے امر میں کوئی شریک ہے اور نہ مخلوقات میں اس کا کوئی مدمقابل اور شریک بن سکتا ہے۔ اور نہ کسی کو اس کے کسی کام ہی میں شراکت کا دعویٰ ہوسکتا ہے کہ اس کی تقدیر اور مشیّت کے بغیر کچھ کرسکتا ہو اور اگر کسی نے اس کی دی ہوئی توفیق و طاقت کے مطابق اور مشیّت کے ماتحت کچھ کیا بھی ہے تو بھی خیر اسی کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ اسی کے ازلی فیصلے، ارادے اور توفیق سے وہ خیر کا کام وجود میں آیا اور اسی کی شان ہے کہ کام کرنے والے کو چاہے کرتے وقت روک دے یا اسے اس کے نتیجے سے محروم کردے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نطق (ارشادگرامی) کو اپنی وحی قرار دیا۔(النجم 3:53) (جنگ بدر میں کافر فوج کی طرف) ان کے پتھر پھینکنے کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ (الانفال 17:8) مسلمانوں کا معرکہ مار لینے کو اپنی مدد قرار دیا۔(آل عمران 123/3) اور مشرکوں کو قتل کرنے کو بھی اپنے نام لگادیا۔ (الانفال 17:8) کیونکہ ان کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رضائے شریعتِ الٰہی بھی داخل تھی۔ تاہم مسلمانوں کے ظاہری عمل دخل کا انھیں ثواب ضرور ملے گا۔

اسی طرح جب ابلیس نے اپنی گمراہی کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو ٹھہرایا کہ میرا سجدہ نہ کرنا تیری مشیّت اور تقدیر کے مطابق تھا (لہٰذا میرا کیا قصور؟) تو وہ دراصل دوسروں کو غلطی اور دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کررہا تھا کیونکہ یہ اس کی ذاتی ضد بازی کا نتیجہ تھا۔ (خصوصاً) جبکہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ بھی تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے وہ اس بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے اس کے ارتکاب کے لیے اپنے اعضاء استعمال کیے اور اپنا دماغ لڑایا، پھر اللہ چونکہ شر پر راضی نہیں ہوتا اس لیے بھی شر اس کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ جبکہ شر پر عمل پیرا ہونے والا بندہ اس پر راضی ہوتا ہے اس لیے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔(جس بات پر اللہ ناراض ہو بندہ اس پر راضی ہوجائے کس قدر جسارت کی بات ہے۔ (لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ)

سیدنا آدم علیہ السلام نے کسی طے شدہ منصوبے کے بغیر جلد بازی میں خلافِ امردانہ کھالیا تھا۔ یہ غلطی ایک طرف ان کی طرف منسوب ہوگئی لیکن دوسری طرف اس منصوبے کے بنیادی کردار شیطان کی طرف بھی منسوب ہوئی، اسی لیے فرمایا: ﴿فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ﴾ ''شیطان نے ان دونوں کو پھسلادیا۔''(البقرة 36:2) اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر قوم فرعون کا ایک شخص قتل ہوگیا تو یہ ان کا کوئی پہلے سے طے شدہ پروگرام نہیں تھا، اس لیے اس

کے قتل کو دیکھتے ہی کہہ دیا: ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''یہ شیطان کی کارستانی ہے۔'' (القصص 15:28) کیونکہ قتل کا اصل منصوبہ شیطان کا تھا موسیٰ علیہ السلام کا نہیں تھا، البتہ جب مدت گزر گئی تو اپنے (ظاہری) عمل دخل کی وجہ سے اللہ کے حضور اعتراف بھی کیا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا﴾ ''اے میرے پروردگار! میں نے ان کا ایک بندہ قتل کیا ہوا ہے۔'' (القصص 33:28)

''اِلٰہ'' کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے

اللہ تعالیٰ کے لیے ساری مخلوقات اس کا لشکر ہیں۔ انسان، حیوان، جن، کیڑے مکوڑے، پرندے، ہوائیں، بخارات، بادل، سورج، چاند، ستارے، سیّارے، زمین، آسمان، پہاڑ، میدان، سمندر، دریا، ندی، نالے، درخت اور پودے وغیرہ تمام موجودات اسی کی بنائی ہوئی ذاتی کائنات ہیں۔ فرشتے، جنھیں باقاعدہ قربِ الٰہی کی توفیق بھی ہے اور انھیں مختلف کاموں پر مامور کیے جانے کا کتاب وسنت میں ذکر بھی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر ہیں وہ جس سے جو چاہے کام لے اور جس سے جو کام چاہے چھین لے۔

اسی لیے بدر و احد اور حنین کی جنگوں میں فرشتوں کو ہزارہا کی تعداد میں بھیج کر مسلمانوں کو تو خوش کر دیا لیکن یہ وضاحت بھی کر دی کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ فرشتے (میری اجازت کے بغیر) ازخود مدد کرنے پر قادر ہیں (یا کوئی شخص میری بجائے ان سے غائبانہ طور پر براہِ راست مدد مانگنا شروع کر دے) تو یہ غلط ہے (اگر اللہ چاہے تو ان کی قوتیں سلب کر دے جیسا کہ ہاروت اور ماروت کے متعلق ذکر آتا ہے۔) چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ''اور نہیں ہے مدد مگر اس اللہ کی طرف سے جو (سب پر) غالب (کمال) حکمت والا ہے۔'' (اٰل عمران 126:3) نیز فرمایا: ﴿وَمَاالنَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے یقیناً اللہ (ہر چیز پر) غالب (کمال) حکمت والا ہے۔'' (الانفال 10:8)

اور اگر فرشتے یہ رُعب جمائیں کہ ہم اللہ کے بغیر ہی سب کچھ کر سکتے ہیں تو اس کا نتیجہ ملاحظہ ہو، فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور ان (فرشتوں) میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر حاجت روائی اور مشکل کشائی کا دعویٰ کرے تو یہ ایسی بات ہے جس کا بدلہ دوزخ ہے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔'' (الأنبیآء 29:21) بلکہ سورۂ زخرف میں تو صراحت ہے کہ آسمان والوں اور زمین والوں (سب) کی حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ ''وہی ہے جو آسمانوں میں (بھی) الٰہ ہے اور زمین میں (بھی) الٰہ ہے اور وہ کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (الزخرف 84:43) لفظِ الٰہ کی کئی تشریحات ہوسکتی ہیں بلکہ ہیں۔ ان میں ایک تشریح یہ بھی ہے کہ ایسی ہستی جو لاچار کی فریادرسی کر کے اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہ مقام نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بغیر کچھ کر سکتے ہیں اور تم ضرورت پڑنے پر ہمیں بلالیا کرو۔ ہم پردۂ غیب سے ہی تمھاری حاجت روائی اور مشکل کشائی کر دیا کریں گے۔ ارشاد باری ہے: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ o وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''کسی انسان (بشر) کا کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب، حکمت اور نبوت سے نوازے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے (بھی) بندے بن جاؤ لیکن (وہ تو یہی کہے گا کہ) رب کے بندے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم (اللہ کی) کتاب پڑھاتے اور پڑھتے ہو (گویا کتاب ہدایت کا بھی یہی سبق ہے) اور وہ (نبی) تمھیں یہ حکم بھی نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو کیا (کوئی) نبی تمھیں کفر کی تعلیم دے گا سہی؟'' (آل عمران 80,79:3) صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ.

چونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بالکل واضح طور پر اللہ کا شریک بنالیا گیا تھا اس لیے ان کے



بارے میں پوری وضاحت کے ساتھ اطلاع دی کہ روزِ قیامت ان سے سوال ہوگا کہ کیا آپ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی تھی کہ آپ کو اور آپ کی والدہ، مریم (علیہا السلام) کو بھی اللہ کے علاوہ حاجت روا اور مشکل کشا مان لیا جائے؟ تو وہ انکار کردیں گے (اور کہیں گے) کہ میرے مقام سے ہی یہ چیز بعید ہے کہ میں انھیں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا، میں نے تو صرف انھیں تیرا امر ہی پہنچایا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ میں جب تک ان میں موجود تھا، ان کے حالات سے آگاہ تھا اور جب تو نے (مجھے اپنی طرف اوپر) اُٹھالیا تو تُو خود ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے، اگر میں نے کچھ کیا ہے تو تجھے بھی معلوم ہوگا، تو میرے دل کی بات تک جانتا ہے لیکن تیرے نفس کی بات کو میں نہیں جانتا۔ تو ہی سارے غیبوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔'' (المآئدۃ 117,116:5)

درخواست ہمیشہ بڑے کے نام ہوتی ہے

کسی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے ظاہری اسباب اختیار کرنے کے باوجود باطنی اسباب (دعا) کو بھی اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ ہم بسا اوقات ظاہری اسباب تو اختیار کرلیتے ہیں مگر باطنی اسباب کی طرف توجہ نہیں دیتے، نتیجتاً منزل مقصود سے دور ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات دعا کرتے بھی ہیں تو غیر اللہ سے، حالانکہ اسبابی دنیا میں غیر اسبابی طریقے اختیار کرکے کسی چیز کا مطالبہ کسی فرشتے، نبی، ولی یا بزرگ سے کرنا بنتا ہے نہ جچتا ہے۔ سفارش کے لیے ادنیٰ ملازم بھی کام دے دیتا ہے اور اعلیٰ بھی، لیکن درخواست اور طلب اسی کے نام ہوگی جو سربراہ ہوگا (یہ دنیا کا مانا ہوا اصول ہے۔) اگر کوئی ماتحت سربراہ کی اجازت کے بغیر تصرّف کرے گا تو وہ بغاوت ہوگی اور خیانت اور چوری بھی ہوگی۔ اس لیے دعا ہو یا غیر اسبابی مطالبہ وہ عبادت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت شمار ہوگا اور اگر غیر اللہ سے ہوگا تو وہ اللہ کی عبادت میں اس غیر اللہ کو شریک کرنے کے مترادف ہوگا۔ ارشاد باری ہے: ﴿فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ﴾ ''پھر ان کے وہ معبود ان کے کچھ کام نہ آئے جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، جب تیرے رب (کیعذاب) کا حکم آگیا اور انھوں نے (انھیں) (کسی چیز میں) نہیں بڑھایا سوائے ہلاک کرنے کے۔'' (ھود 101:11)

دعا ہی عبادت ہے

قرآن مجید میں کئی جگہ دعا کو عبادت شمار کیا گیا ہے (مثلاً: دیکھیں قصہ ابراہیم علیہ السلام سورۂ مریم 19:41-49) کبھی ان کے عمل کو خود انھوں نے بھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی لفظِ عبادت سے تعبیر کیا ہے اور کبھی اسے لفظ دعا سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّاo فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا﴾ ''اور میں تم سے اور ان چیزوں سے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کو پکارتا ہوں، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں بے نصیب نہیں ہوں گا۔ پھر جب وہ ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے الگ ہوگیا تو ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو نبی بنایا۔'' (مریم 49,48:19) یہاں پہلے «تَدْعُوْنَ» کا لفظ ہے پھر اسی کو دہرانے کی بجائے اس کی جگہ «یعبدون» کا لفظ ارشاد فرمایا۔ گویا بتلادیا کہ دعا ہی دراصل عبادت ہے۔ بلکہ ایک مقام پر تو قرآن مجید نے مشرکوں کی پکار کو بھی عبادت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کی مماثلت کو عبادت شمار کیا ہے (ان کی پکار عادت کی بجائے عبادت کے ساتھ مماثلت رکھتی تھی جس کی وجہ سے اسے عبادت کا نام دیا گیا۔ (واللہ اعلم) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''کہہ دیں کہ مجھے منع کیا گیا ہے کہ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کی پوجا کروں جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے روشن دلائل آچکے بلکہ مجھے تو حکم ملا ہے کہ سارے جہانوں کے پروردگار کے لیے مسلمان ہوجاؤں۔'' (المؤمن 66:40) مزید فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ



لاَ يَسْتَجِيبُ لَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَo وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ''اور کون گمراہ ہے اس شخص سے بڑھ کر جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسے پکارتا ہے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دیتا بلکہ وہ اس کی ندا ہی سے غافل ہیں اور جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کردیں گے۔'' (الاحقاف 6,5:46) یہ انکار خواہ پکارنے والے کی طرف سے ہو یا جسے پکارا جائے اس کی طرف سے ہو بہرصورت اسی پکار کو عبادت کہا گیا ہے، مثلاً: اگر کسی شخص کو نماز آتی ہو اور وہ اپنی زبان کو حرکت دینے کی طاقت بھی رکھتا ہو پھر بھی وہ قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ اور تشہد سب کچھ کرے مگر زبان کو جان بوجھ کر حرکت نہ دے (کچھ نہ پڑھے) تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ کیا اس نے نماز پڑھ لی یا نماز کو مذاق بنادیا؟ یقیناً اُس نے نماز کا مذاق ہی اڑایا ہے کیونکہ نماز کی اصل روح تو یہی چیزیں ہیں: دعا جو نماز کی صورت میں پڑھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا جو نماز کے آداب کا حصہ ہے اور درود شریف جو نماز کا لازمہ ہے جب روح ہی غائب ہوجائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے صرف ڈھانچہ؟

دعا کی یہی وہ حقیقت ہے جسے نبی اکرم ﷺ نے یوں اجاگر کیا: «اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ» ''دعا عبادت کا مغز ہے۔'' (جامع الترمذي:3371) اور بعض روایات میں ہے: «اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» ''دعا ہی عبادت ہے۔'' (جامع الترمذي:3372)

جامع ترمذی کی اس روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ حدیث شریف بیان کرکے اس کی قرآنی دلیل پیش کرتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ ''اور تمھارے رب نے یہ کہا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہوکر دوزخ میں داخل ہوں گے۔'' (المؤمن 60:40) یعنی اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے سے مانگنے اور دعا کرنے کو اپنی عبادت شمار کیا ہے۔

کیا سجدہ تعظیمی عبادت ہے؟

اگر بندے کے دل ودماغ میں مانگنے کا ارادہ یا نیت نہ ہو اور وہ کسی مخلوق کے سامنے ویسے ہی تعظیماً جھک جائے یا لیٹ جائے تو یہ اس کی عبادت نہیں ہوگی اگرچہ (یہ جھکنا دوسری دلیل سے) منع ضرور ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو اور برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو جو سجدہ کیا تھا یہ تعظیم کا سجدہ تھا عبادت کا نہیں تھا۔ اس لیے کہ انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام یا یوسف علیہ السلام کی خدمت میں کوئی غیبی مطالبات پیش کرنا شروع نہیں کردیے تھے۔ جبکہ ہماری شریعت محمدیہ ﷺ میں ظاہری اشتباہ کی وجہ سے سجدہ تعظیمی کو بھی بالاتفاق حرام قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض علمائے حق نے تو کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہوئے اسے بھی عبادت گن کر شرک قرار دیا ہے اور یہ فتویٰ دلائل کی رو سے زیادہ قوی ہے کیونکہ جب آپ ﷺ سے سجدۂ تعظیمی کے متعلق سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ» ''اپنے رب کی عبادت کرو۔'' (مسند أحمد: 76/6) یعنی آپ نے سجدۂ تعظیمی کو بھی عبادت شمار کیا۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص کسی کو سجدۂ تعظیمی کرتا ہے تو وہ اس کی عبادت ہی کرے گا اور یہ جو آج کل بعض لوگ قبروں پر سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں وہ درحقیقت سجدۂ عبادت ہی کررہے ہوتے ہیں (اگرچہ وہ کہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے) کیونکہ وہ صاحبِ قبر سے فیض وبرکت اور رزق ومدد حاصل کرنے کے لیے ہی وہاں جاتے ہیں۔ ان کے تعظیمی قیام، رکوع اور سجدے میں قبر والے سے مطالبات عموماً دل میں پوشیدہ اور کبھی زبان پر بھی ظاہر ہوجاتے ہیں۔ ایسے حالات میں ایسے سجدے کو محض سجدۂ تعظیمی کہنے والا خود بھی دھوکا کھارہا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکا دے رہا ہے۔ اگرچہ صحیح اور راجح قول کے مطابق سجدۂ تعظیمی بھی شرک ہے لیکن ان لوگوں کا سجدہ تو ہے ہی سجدۂ عبادت۔ (واللہ اعلم) لہٰذا اہل علم کی ڈیوٹی ہے کہ وہ ان کو منع کریں اور اس چیز سے نہ ڈریں کہ (یہ) لوگ ہمیں ''وہابی'' سمجھ بیٹھیں گے کیونکہ مخالف پروپیگنڈہ کرنے والے کو یہ حق دے ہی دینا چاہیے کہ وہ روکنے والے کو وہابی یعنی بخشنہار کا بندہ کہے کیونکہ وہاب اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ دینے والا داتا۔ تو جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کو وہاب اور داتا مانتا ہے اسے وہابی کہنے میں آخر حرج ہی کیا ہے اسے باعث عار نہیں سمجھنا چاہیے۔ (جاری ہے)

حافظ محمد حق نواز



احتجاج کا شرعی تصور اور اس کا صحیح طریقہ

انسان جس معاشرے میں بھی زندگی بسر کر رہا ہو وہاں اس کے چند حقوق و فرائض ضرور ہوتے ہیں۔ معاشرتی زندگی میں ایک انسان کے حقوق دوسرے کے فرائض میں شامل ہوتے ہیں۔ پرامن اور خوشحال معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ہر انسان دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرے۔ جب انسان دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے گا تو اسے بھی اس کے حقوق ملتے رہیں گے۔ جب اس میں کوتاہی برتے گا تو اسے اپنے حقوق کے لیے بھی لڑنا جھگڑنا پڑے گا۔ ہمارے اس معاشرے میں اپنے حقوق کے حصول کے لیے، اپنے مطالبات منوانے، ظالم کو ظلم سے روکنے اور پیش آمدہ مسائل کی طرف ذمہ دار افسران بالا کی توجہ مبذول کروانے کے لیے معاشرے کے لوگ بیک زبان آواز اٹھاتے ہیں۔ اسے ہی احتجاج کا نام دیا جاتا ہے۔

احتجاج کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہے۔ دنیاوی معاملات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے مطابق قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر چیز اباحت کا درجہ رکھتی ہے۔ سوائے چند مخصوص معاملات کے کہ جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے۔ یا شریعت میں جن کے بارے میں حلت وحرمت واضح ہے۔ یا کوئی دنیاوی معاملہ ایسا ہو کہ جو واضح طور پر شریعت کے متصادم ہو۔ لہٰذا احتجاج کے بارے میں چونکہ قرآن وسنت میں ممانعت وارد نہیں ہے اس لیے احتجاج کرنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔“ (آل عمران 110:3) اس لیے ایک مومن مسلمان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی بھلائی کے لیے ان کی اصلاح کرتے رہیں۔ ذمہ دار لوگوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلانا اور سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے کوشش کرنا اور برائی کے خلاف آواز اٹھانے کا نام احتجاج ہی تو ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے یا برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی شخص کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ (یعنی مقدور بھر طاقت، وسائل، ذرائع وغیرہ) سے روکے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو اس کے خلاف آواز اٹھائے (تقریر اور تحریر کے ذریعے لوگوں کو اس برائی سے آگاہ کرے) اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو کم از کم اس کو دل میں برا ضرور سمجھے اور یہ (برائی کو صرف دل ہی میں برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ رکھتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 49)

معلوم ہوا کہ ظلم کے خلاف، اسلام دشمن قوتوں کے خلاف آواز اٹھانا احتجاج کہلاتا ہے۔ چونکہ



ہر فرد بولنے، تقریر کرنے یا لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے ایک مقرر کی تائید میں ہزاروں لوگ اس کے پیچھے (بصورت جلسہ، جلوس یا مظاہرہ وغیرہ) موجود ہوتے ہیں۔ آغاز اسلام ہی سے جلسہ کی روایت چلی آرہی ہے۔ جمعہ اور عیدین کے مواقع پر بڑے بڑے جلسے منعقد کیے جاتے تھے۔ ان جلسوں میں علماء خطباء عبادات اور احکامات بیان کرنے کے علاوہ حالات حاضرہ پر اسلام اور مسلمانوں کا موقف بھی پیش کرتے تھے۔ گردونواح میں ہونے والے مظالم کے خلاف آواز احتجاج بھی بلند کی جاتی تھی البتہ جلوس اور مظاہرہ اجتماعی اظہار رائے کا جدید طریقۂ احتجاج ہے۔ اگر مظاہرے اور جلوس کے دوران کوئی غیر اسلامی طرز عمل اختیار نہ کیا جائے تو ایسے پرامن احتجاج کو غیر شرعی یا ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ٹیپو سلطان سے کسی نے کہا کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ ٹیپو سلطان نے جواب دیا: یہ اسلامی طرز فکر نہیں ہے۔ اسلامی طرز فکر تو یہ ہے کہ محبت اور جنگ میں جو کچھ بھی کیا جائے وہ سب جائز ہو..... یہی بات ''احتجاج'' پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ احتجاج ہمیشہ ''کمزور فریق'' کرتا ہے جیسے اپوزیشن، حکومت سے احتجاج کرتی ہے۔ یا عوام الناس حکومتی طاقت ور افراد اور طاقت ور اداروں (کی پالیسیوں، احکامات اور رویوں وغیرہ) کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔

اسی طرح مسلمان بھی اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے اقدام کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ عوام اس لیے احتجاج کرتے ہیں کہ ان کے پاس ''طاقت'' نہیں ہوتی کہ جن عناصر نے اسلام کے خلاف کوئی کام کیا ہوتا ہے انھیں بزور قوت روک سکیں یا انھیں سزا دے سکیں۔ خصوصاً احتجاج کی ضرورت اس وقت بھی پیش آتی ہے جب اسلام کے خلاف کسی دوسرے ملک میں قدم اٹھایا جائے اور اپنے ہی ملک کے بااثر باشندے اس اسلام مخالف واقعہ میں ملوث ہوں۔

اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہی ہے کہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی احتجاج کی ضرورت پیش آئے احتجاج ضرور کیا جائے تاکہ اپنے جذبہ ایمانی کا اعلان ہوسکے۔ اور قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں یہ کہا جاسکے کہ جب کبھی بھی اور جہاں کہیں بھی اسلام یا اسلامی اقدار کے خلاف کوئی عمل ہوا، ہم نے مقدور بھر اس کے خلاف آواز بلند کی ہے۔

احتجاج کا صحیح طریقہ

اسلام میں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے، اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے ہر قدم اور برائی سے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے احتجاجی مظاہرے، جلسے، جلوس اور ریلیاں نکالنا جائز ہے لیکن کسی بھی قسم کے احتجاج کے دوران کبھی بھی کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو، مثلاً:

① اپنی زبان سے جوش خطابت میں لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کے لیے ''مجرموں'' کے خلاف گالم گلوچ یا نازیبا الفاظ ادا نہیں کرنا چاہییں بلکہ تقریر وتحریر میں اخلاقی قدروں میں رہتے ہوئے مجرموں کے اقدامات کی مذمت کی جائے۔

② احتجاج اگر ''مظاہرہ'' کی صورت میں ہو تو اس مظاہرہ سے ٹریفک کے بہاؤ میں خلل نہیں پڑنا چاہیے اور نہ ہی راستے بلاک کرکے عام شہریوں کو مشکلات میں ڈالنا چاہیے۔

③ مظاہروں، جلوسوں اور ریلیوں کے دوران سرکاری وغیر سرکاری املاک کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے بلکہ اگر ''مجرمان سے متعلقہ املاک'' بھی ہماری دسترس میں آجائیں تو انھیں بھی نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔ توڑ پھوڑ اور پولیس یا انتظامیہ وغیرہ پر پتھراؤ وغیرہ کرنا بالکل بے ہودہ اور غلط حرکت ہے۔

④ اگر کسی غیر ملکی نے اپنے ہی ملک میں اسلام کے خلاف مجرمانہ حرکت کی ہو تو علامتی طور پر بطور احتجاج اس ملک کا جھنڈا نذر آتش کیا جاسکتا ہے لیکن اس ملک کے سفارت خانے یا اس ملک کے دیگر شہریوں کو نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔

⑤ اسی طرح اگر وہ ملک ایسے مجرموں کو لگام نہیں دیتا اور آئندہ ایسے جرائم کی روک تھام کے لیے ''مجرموں'' کو کیفر کردار تک نہیں پہنچاتا تو اس ملک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے۔

⑥ اس ملک کے ارباب اختیار پر زور دینے کے لیے سفارتی تعلقات منقطع کیے جاسکتے ہیں تاکہ اس ملک میں آئندہ ایسے (اینٹی اسلامک) جرائم کا قلع قمع ہوسکے۔ اگر اپنے ملک کے



حکمران اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات کے انقطاع میں لیت ولعل کا اظہار کریں تو اپنے ملک کے حکمرانوں پر بھی دباؤ ڈالنے کے لیے احتجاج کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ سفارتی تعلقات منقطع کرکے ان سے تجارتی تعلقات بھی ختم کردیں۔

⑦ اپنے ہی ملک کے حکمران اگر عوام پر مہنگائی، بیروزگاری، بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ جیسے عذاب مسلط کردیں، اپنے اللّے تللّے اور عیاشیوں کے لیے غیروں سے بھاری سودی قرضے لے کر اپنے ملک میں پیدا ہونے والے ہر بچے تک فی کس پچانوے ہزار/95000 کا مقروض کردیں تو انھیں راہِ راست پر لانے کے لیے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔

⑧ اگر اپنے ہی ملک کے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے غیر مسلم مسلمانوں پر ڈرون حملے کریں پھر حکمران بھی ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون جاری رکھیں تو ایسے حکمرانوں کو متنبہ کرنے کے لیے ان کے خلاف احتجاج کیا جاسکتا ہے۔

یعنی ہم احتجاج کا ہر وہ مروجہ اور مہذب طریقہ اپنا سکتے ہیں جو غیر اسلامی نہ ہو۔

احتجاجی مظاہرہ

اجتماعی صورت میں اپنی رائے کے اظہار کو احتجاجی مظاہرہ کہتے ہیں۔ اگر مظاہرہ پرامن ہو تو شرعی طور پر یہ صحیح ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تعاون ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو۔'' (المآئدۃ 2:5) لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں شامل ہر معاملے میں تعاون جائز ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' صحابہ کرام نے پوچھا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اسی کی مدد کرنا ہے۔'' (صحيح البخاري: 2444)

پرامن مظاہرے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیش آمدہ مسئلے میں جاری کیا گیا فیصلہ مبنی برحق نہیں ہے بلکہ سراسر ظلم ہے، ناانصافی ہے، ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے، حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔ ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ ہمیں ہمارا حق دلایا جائے۔ حق کی آواز حکمرانوں تک پہنچانے کے لیے پرامن احتجاجی مظاہرہ کرنا شریعت کے عین مطابق ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنے پڑوسی کے ناروا سلوک سے بہت تنگ تھا۔ اس نے آپ ﷺ سے بارہا شکایت کی لیکن آپ ﷺ نے اسے صبر کی تلقین کی۔ جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''جا کر اپنا سامان گھر سے نکالو اور راستے پر رکھ دو۔'' اس نے اپنا سامان گھر سے نکالا اور احتجاجاً راستے پر رکھ دیا۔ آتے جاتے لوگ اس سے وجہ دریافت کرتے تو وہ اپنے پڑوسی کے ناروا سلوک کا تذکرہ کرتا۔ لوگ اس پڑوسی کو ملامت کرتے ہوئے بددعائیں دیتے جاتے کہ اللہ اس کے ساتھ ایسے کرے اور ایسے کرے۔ اس بدنامی سے تنگ آکر پڑوسی اس کے پاس آیا اور کہا: اپنا سامان اٹھا کر گھر لے چلو (آئندہ) میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں دیکھو گے۔ (سنن أبي داود: 5153)

مدینہ سے عمرہ کی غرض سے جانے والے مسلمانوں کو کفار نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور مکہ مکرمہ میں داخلے کی اجازت نہ دی۔ مسلمانوں کے آنے کا مقصد جاننے کے لیے کفار کی جانب سے بنوکنانہ کا ایک شخص مسلمانوں کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ فلاں شخص ہے ایک ایسی قوم کا فرد ہے جو بیت اللہ کی قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں اس لیے قربانی کے جانور اس کے سامنے کردو۔'' صحابہ کرام نے قربانی کے جانور اس کے سامنے کردیے اور تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا کہ سبحان اللہ! قطعاً مناسب نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے روکا جائے۔ (صحيح البخاري: 2731)

تو یہ بھی ایک خاص طریقے سے احتجاج ہی کا انداز تھا کہ دیکھیں ہم بیت اللہ کا طواف کرنے کی غرض سے آئے ہیں، قربانیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمیں بیت اللہ کا طواف کرنے دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار پر دباؤ ڈالنے کے لیے، ان کی جانب سے جاری ظلم وستم کو روکنے کے لیے ہر مؤثر حربہ



اختیار کیا جاسکتا ہے۔مخصوص انداز میں احتجاجی مظاہرہ بھی انھی حربوں میں سے ایک حربہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہاں پر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں احتجاج کا مخصوص انداز اپنانا کفار کی نقالی اور انھی کی سیاست کا حصہ ہے۔ چند ایک وجوہات کی بنا پر ہمارے لیے جائز نہیں ہے:

① موجودہ دور کے احتجاجی مظاہرے نہ نبی ﷺ کی زندگی میں ہوئے اور نہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے دور میں ہوئے۔

② اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو نبی ﷺ ضرور ہماری راہنمائی فرماتے۔

③ یہ کفار کے ساتھ مشابہت ہے، حالانکہ کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

④ احتجاجی مظاہرے کے ذریعے کفار کے سامنے اپنے آپ کو کمزور ثابت کیا جاتا ہے، گویا یہ احتجاج جہاد سے توجہ ہٹانے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ کمزور مسلمان احتجاج ہی کو بہت بڑا جہاد قرار دے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

⑤ مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ احتجاج کے دوران بہت سے بے گناہوں پر ظلم وستم ہوتا ہے، سرکاری ونیم سرکاری اور پرائیویٹ املاک کو بلاتفریق نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ پورا ملک تباہی و بربادی کا منظر پیش کرتا ہے۔

⑥ احتجاج کا کوئی بہت بڑا فائدہ نہیں ہوتا بلکہ فائدے کی بجائے نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔

⑦ احتجاج تو کفار کے خلاف ہوتا ہے جبکہ یہاں احتجاج حکومتِ اسلامیہ کے خلاف کیا جاتا ہے، حالانکہ حکومتِ اسلامیہ کے خلاف احتجاج کرنا گویا علم بغاوت بلند کرنا ہے اور یہ طریقہ خوارج کا ہے۔

احتجاج کے نقصانات

موجودہ دور میں جذباتی لوگوں نے احتجاج کا معنی مفہوم اور مطلب ہی منفی سرگرمی قرار دے لیا ہے۔ ان کے نزدیک اپنی بات منوانے کا بہترین طریقہ پرتشدد احتجاجی مظاہرے ہوتا ہے۔ اس پرتشدد احتجاجی مظاہرے کے دوران وہ تخریبی کارروائیاں بھی کرتے ہیں۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مارکیٹیں، بازار اور دکانیں نذر آتش کرتے ہیں۔ سرکاری ونیم سرکاری عمارتوں، دفاتر اور دیگر املاک کی توڑ پھوڑ کرکے بے پناہ عوامی نقصان کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں عوام الناس ترقی کے بجائے تنزلی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بے روزگاری اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ غربت و افلاس اور تنگدستی کی شرح میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ بڑے بڑے ادارے اور کاروباری لوگ دیوالیے پن کا شکار ہوجاتے ہیں۔ نتیجتاً پورا ملک اس پرتشدد احتجاجی مظاہرے کی وجہ سے پندرہ سے بیس سال پیچھے چلا جاتا ہے، یعنی جب آئے دن ہم اپنے ہی ملک کو اقتصادی اور معاشی طور پر کمزور کرتے رہیں گے تو ہمارا ملک بیرونی دنیا کے مقابلے میں پچاس ساٹھ سال پہلے والی حالت سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ علاوہ ازیں جب ہم ہی ایک دوسرے کا معاشی نقصان کرنا شروع کردیں گے۔ ہنستے بستے آباد گھروں میں ویرانی اور اجاڑ کا دور دورہ ہوگا تو ظاہر ہے ایسے احتجاجی مظاہروں کی بنا پر ہمارے اپنے بھائی ہی ہماری مخالفت پر اتر آئیں گے۔ اس صورت حال سے ہمارا دشمن بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے دہشت گردی اور بم دھماکے کروا کر ہمیں مزید متزلزل کرنے کی کوشش کرے گا۔ کاروباری لوگوں کا کاروبار ٹھپ ہوجانے سے لاکھوں مزدور بے روزگار ہوجاتے ہیں۔ ان لاکھوں مزدوروں کے دست نگر کروڑوں افراد صرف ان کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ جب ایسے گھرانے تنگ دستی کا شکار ہوں گے تو بھوک افلاس کی وجہ سے لاکھوں لوگ موت کے منہ میں چلے جائیں گے یا مختلف بیماریوں کا شکار ہوجائیں گے۔ کوئی بندہ معاشرے میں پرامن زندگی نہیں گزار سکے گا۔ ہرسو بدامنی اور انتشار پھیل جائے گا۔

پرتشدد احتجاجی مظاہروں کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض مقررین اپنی زبانوں کو بے دریغ استعمال کرتے ہوئے جذبات کی رو میں اس قدر بہہ جاتے ہیں کہ ان کی زبان کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہے، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''انسان کے منہ سے نکلنے والے ہر لفظ کو لکھنے کے لیے نگہبان تیار رہتا ہے۔'' (ق 18:50) اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا فرمان بھی ہے: ''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (صحیح البخاري: 10) آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''وہ شخص جو مجھے دو چیزوں کے درست استعمال کی ضمانت دیتا ہے میں اسے جنت کی



ضمانت دیتا ہوں، وہ دو چیزیں ہیں: زبان اور شرمگاہ۔'' (صحیح البخاري: 6474) لہٰذا ہمیں چاہیے کہ کبھی بھی کسی کے خلاف منہ سے نازیبا الفاظ نہ نکالیں۔ ایسی بیہودہ اور لغویات سے گریز کرنا چاہیے تاکہ اپنے نامہ اعمال کو بھی صاف رکھا جاسکے اور دوسروں کی دل آزاری بھی نہ ہو۔ تقریر اور تحریر دونوں میں اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر معاملات کو سدھارنا اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں صحیح حل پیش کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح وہ لوگ شدت جذبات کی وجہ سے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوجاتے ہیں۔ عدل و انصاف کے شرعی پیمانے کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے اس وقت وہ صرف اپنے آپ کو ہی حق پر سمجھتا ہے، حالانکہ ارشاد باری ہے: ''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' (المآئدة 8:5) لہٰذا ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جہاں بھی ہو، اسلامی حکومت کے زیرسایہ ہو یا غیر اسلامی حکومت کے، ہرصورت میں انتشار اور بدامنی پھیلانے سے گریز کرتا ہے۔ حق اور انصاف کا دامن چھوٹنے نہیں دیتا۔ احتجاج بھی کرتا ہے لیکن اس کے احتجاج سے پوری ملت نقصان اور خسارے سے دوچار نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر حدیث میں پڑوسی کے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کرنے والے صحابی کا واقعہ گزر چکا ہے۔

احتجاج کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ مقامی جماعتوں کے قائدین بعض اوقات بلاوجہ عوام کو حکومت کے خلاف ابھارنے کا کام کرتے ہیں اور کبھی وہ اسلام اور ملک دشمن ہاتھوں میں کھیل بھی رہے ہوتے ہیں۔ اور عوام کو ''الّو'' بنا کر رکھتے ہیں اور حکومت کو بلیک میل کرتے ہیں۔ اسی طرح احتجاج کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ وقت اور پیسوں کا ضیاع ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس ایشو پر احتجاج ہوتا ہے اس ایشو کا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا نقصان احتجاج کرنے والوں کی طرف سے ٹرانسپورٹیشن اور بینرز اور فلیکس وغیرہ پر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ عوام کو گھروں سے نکالنے کے لیے بہت لمبی چوڑی منصوبہ بندی اور خطیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔

احتجاجی مظاہرے کے دوران جذبات کی رَو میں بہنے کی بجائے صبر، ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ معاملہ کے حل کے لیے عملی اقدامات کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے۔ باقاعدہ لائحہ عمل ترتیب دے کر ذمہ دار افراد کو توجہ دلاتے ہوئے اپنی تجاویز احسن انداز سے پیش کرنے کے بعد ان تجاویز پر عمل درآمد کروانے کا پرزور مطالبہ کرنا چاہیے۔ بعض لوگ احتجاجی مظاہرے کے اصل مقاصد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ہلہ گلہ، نعرے بازی، توڑ پھوڑ اور بدامنی پھیلانے کو ہی اپنی کامیابی سمجھ بیٹھتے ہیں، حالانکہ سراسر وہ خسارے میں ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں احتجاجی مظاہرے کے دوران مختلف لوگ احتجاج کے طریقے بھی مختلف اپناتے ہیں۔ بعض لوگ احتجاج کے دوران اپنے مخالفین کے باقاعدہ علامتی پتلے بناتے ہیں پھر انھیں بھرے مجمع کے سامنے نذرِ آتش کرتے ہیں یا اپنے غصے کا اظہار کرنے کے لیے اس کی توہین کرتے ہیں۔ اس علامتی پتلے کو پتھر مارنا، جوتے مارنا یا آگ لگانا ہی ان کا احتجاج کہلاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص دنیا میں کوئی تصویر، بت یا پتلا بنائے گا تو قیامت کے دن اس پر زور ڈالا جائے گا کہ اسے وہ زندہ کرے، حالانکہ وہ اسے زندہ نہیں کرسکتا۔'' (صحیح البخاری: 5963) اس طرح قرآن وحدیث میں مذکور بہت سے دلائل سے تصویر اور پتلا بنانے کی مذمت وحرمت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا احتجاج کے دوران کسی کا علامتی پتلا بنانا ہی درست نہیں تو پھر اسے جلانا اور اس علامتی پتلے کی تذلیل کرنا کیسے درست ہوگا۔

احتجاج کے فوائد

چونکہ احتجاج ہمیشہ کمزور فریق کی طرف سے ہوتا ہے وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے غالب قوتوں سے اپنا حق چھین تو سکتا نہیں اس لیے وہ احتجاج ہی کو اپنا بہترین ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ احتجاج کی وجہ سے غالب قوتوں کو جھکنا پڑتا ہے وہ حق دار کو اس کا حق دینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ احتجاج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ کے

چند امتیازی پہلو



محمد نعمان فاروقی

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جامع الحسنات بنایا تھا۔ جس طرح آپ ﷺ کو بہت سے اوصاف و مکارم حاصل ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت بھی بہت سے امتیازات کی حامل ہے۔ چند امتیازات حسب ذیل ہیں:

① ایک کامل بشر کی سیرت

دیگر مذاہب کے لوگ اپنے مذاہب کے بانیوں حتی کہ انبیاء و رسل کو بحیثیت انسان پیش نہیں کرتے۔ کسی مذہب والوں نے انھیں اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ کسی نے انھیں معبود بنا دیا اور کسی مذہب کے پیروکاروں نے انھیں انسان سے ہٹ کر فوق البشر یعنی کوئی اور اعلیٰ مخلوق قرار دیا۔ ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ کوئی شخص انسان ہو کر انسانوں کے لیے نمونہ کیسے بن سکتا ہے؟ قرآن مجید میں ان کی ذہنیت کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے: ﴿فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ﴾ ''تو (ثمود) کہنے لگے: کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بشر کی پیروی کریں بلاشبہ تب تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔'' (القمر 24:54) اسی طرح وہ یہ بھی بعید از قیاس قرار دیتے تھے کہ کوئی شخص انسان ہو کر انسانوں کی راہ نمائی کرے۔ ارشاد ہے: ﴿فَقَالُوا ابَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا﴾ ''تو ان (کافروں) نے کہا: کیا انسان ہی ہماری راہ نمائی کریں گے، چنانچہ انھوں نے انکار کر دیا اور روگردانی کی۔'' (التغابن 6:64) مگر نبی کریم ﷺ کی سیرت ہمارے سامنے ایک اجمل و اکمل بشر کی حیثیت سے موجود ہے۔ اس میں الوہیت کا پرتو ہے نہ کسی اور جنس سے تخلیق کا کوئی شائبہ۔

کامل انسان ہونے کی حیثیت سے انسانوں کے سامنے نمونہ عمل رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ مادۂ تخلیق بھی ایک ہے اور جنس بھی ایک تاکہ اسوہ کی پیروی کرنے میں دشواری نہ ہو۔ ایسا کوئی عذر ہی سامنے نہ آئے کہ ان کی تو جنس ہی کوئی اور ہے، بھلا ہم کیسے عمل پیرا ہو سکتے ہیں؟ ہاں! بعض گمراہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب کی دیکھا دیکھی سیرت کا یہ امتیازی پہلو ماؤف کرنے کی کوشش کی ہے۔ افسوس کہ وہ اپنی ضد پر بلا دلیل قائم بھی ہیں۔

② قیامت تک کے لیے راہ نما سیرت

کئی قائدین، بانیانِ مذاہب اور پیشروؤں نے غیر معمولی امور انجام دے کر بڑے نام پیدا کیے اور وہ اپنے اپنے دور میں قائد اور ریفارمر قرار پائے اور سابقہ انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام بھی اپنے اپنے عہد میں لوگوں کی راہ نمائی کرتے رہے۔ بعد کے ادوار میں وہ تاریخ کا حصہ بنتے چلے گئے۔ اب ان کے کردار تاریخ کے صفحات میں تو کسی حد تک محفوظ ہیں مگر وہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں نہ قیامت تک آنے والے حالات کے بارے میں کوئی تسلی بخش راہ نمائی فراہم کرتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی سیرت کا یہ طرّہ امتیاز ہے کہ جیسے آپ ﷺ کی سیرت ماضی کی گزرگاہوں میں روشنی فراہم کرتی تھی اس سے کہیں زیادہ دورِ حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ اور مستقبل کے امکانی حالات میں راہ نمائی کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ محض حب رسول ﷺ کی بنیاد پر خوش عقیدگی کا دعویٰ نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اِس دور میں سیرت

پر اس قدر کام ہوا ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اور اس تحقیقی کام کی زیادہ تر نوعیت سیرت کو موجودہ دور سے ہم آہنگ کرنے کی ہے۔ لکھنے والے لکھتے چلے جارہے ہیں اور سیرت کے نت نئے پہلو اُجاگر ہوتے چلے جارہے ہیں۔

مثلاً دارالسلام کی حال ہی میں ڈاکٹر علی محمد صلابی حفظہ اللہ کی سیرت النبی ﷺ پر 3 جلدوں پر مشتمل ایک کتاب منظرعام پر آئی ہے۔ الحمدللہ اس کی تیاری کا اعزاز راقم ہی کو ملا ہے، سیرت کو جدید دور سے ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں اسی کتاب کا ایک قدرے طویل اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

مسجد ضرار کا نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے بس اتنا تعلق ہے کہ یہ منافقین نے بنائی تھی اور آپ ﷺ نے اس کے انہدام کا حکم صادر فرمایا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صلابی نے دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے بڑے عمدہ نکات پیش کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

① زمخشری کہتے ہیں کہ جو بھی مسجد فخر وغرور، دکھلاوے، ریاکاری یا رضائے الٰہی کی نیت کے علاوہ کسی اور غرض سے بنائی جائے یا حرام مال سے تعمیر کی جائے تو اس کا حکم مسجد ضرار والا ہی ہے۔ (تفسیر الزمخشري: 310/2)

عبدالکریم زیدان امام زمخشری کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اس مسجد کو مسجد ضرار کی طرح گرادیا جائے گا؟ میں یہ نہیں سمجھتا کہ ایسا ہو بلکہ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد تقویٰ اور اخلاص کی بنیاد پر نہیں بنائی گئی۔ (المستفاد من قصص القرآن لعبدالکریم زیدان: 304/1)

② امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے علماء (شافعیہ) کا کہنا ہے کہ ہر وہ مسجد جو ایذا رسانی، ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے بنائی گئی وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور اس میں نماز ادا کرنا درست نہیں۔ (تفسیر القرطبي: 254/8)

سید قطب رقمطراز ہیں: ''اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بنائی جانے والی مسجد ضرار جیسی مسجدیں مختلف ادوار میں بنتی چلی آئی ہیں۔ بظاہر تو یہ اسلام کی سربلندی کے لیے بنائی جاتی ہیں مگر درپردہ اسلام کی بیخ کنی اور اس کی شکل بگاڑنا مقصود ہوتا ہے اور اس کے لیے اسلام کے نام کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں اور ایسے علمی مباحثے ہوتے ہیں جو اسلام کو مٹانے کے درپے لوگوں کو سکون فراہم کرتے ہیں اور انھیں باور کراتے رہتے ہیں کہ انھیں اسلام سے کوئی خطرہ نہیں۔'' (تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 1711,1710/3)

مسجد ضرار جیسے دیگر مقامات کا حکم: عبدالکریم زیدان کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جسے بظاہر شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا ہو مگر بنانے والے غیر شرعی مقصد پورا کرنا چاہتے ہوں تو وہ بھی مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔ اس قاعدے کے متعلق ہم اختصار سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا ظاہر تو شرعی طور پر درست ہو مگر اس کو اختیار کرنے والے، مومنوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہوں تو وہ مسجد ضرار ہی کے حکم میں شامل ہے۔ (المستفاد من قصص القرآن لعبدالکریم زیدان: 506/2) اس قاعدے کی رو سے وہ امور بھی مسجد ضرار کے حکم میں شامل ہیں جنھیں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، مثلاً: شرک کے اڈے، گناہ اور نافرمانی کے گڑھ، شراب خانے، نشے کے اڈے اور دیگر بے حیائی کے مراکز وغیرہ۔ یہ قبیح مقامات ظاہراً وباطناً دونوں صورتوں میں خطرناک ہیں اور انھیں مٹانا ضروری ہے۔ (المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 506/3)

مسلم ممالک میں مساجد ضرار کا وجود اور حکم: ہمیشہ سے منافقین، ملحدین، عیسائی اور کفار فاتحین عبادت کے نام پر ایسے معبد تعمیر کرتے چلے آئے ہیں جن کا مقصد اسلام پر طعن وتشنیع اور مسلمانوں کے عقائد وعبادات میں شبہات پیدا کرنا ہوتا ہے، اسی طرح تعلیم وتربیت کے نام پر سکول بنا کر بچوں کے ذہن میں زہر انڈیلنا، ثقافت کے نام پر ادبی مجالس قائم کرکے اخلاقی اقدار کو متزلزل کرنا اور ہسپتال وغیرہ بنا کر انسانی خدمت کے نام پر بیماروں اور کمزوروں پر اثرانداز ہوکر انھیں دین سے پھیرنا مقصود ہوتا ہے۔ افریقی ممالک میں وہ یہ تجربہ کرکے اثرانداز ہو چکے ہیں۔ (السيرة النبوية لأبي شهبة: 508/2)

مسجد ضرار اسلامی معاشرے میں ہونے والا ایسا حادثہ اور واقعہ نہیں جو ہوا اور مٹ گیا بلکہ یہ ایک دائمی سوچ اور فلسفے کا نام ہے جس کے لیے گہرے مقاصد سامنے رکھ کر زبردست منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور مؤثر ترین وسائل استعمال میں لائے جاتے ہیں اور پھر انھیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کیے گئے دیگر منصوبہ جات سے ہم آہنگ کرکے اسلام میں

شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں اور اس کی نہایت قبیح صورت حال بنا کر پیش کی جاتی ہے تاکہ لوگ دین سے متنفر ہوجائیں اور ایسے کاموں میں مشغول ہوں جس سے ان کا اخروی گھر تباہ و برباد ہوجائے۔'' (الصراع مع الصلیبیین لأبي فارس،ص:182)

مسجد ضرار کے نام سے شاید بہت سے لوگ واقف بھی نہ ہوں لیکن دیکھا آپ نے کہ اس دور کے سیرت نگاروں اور ارباب تحقیق نے کیسے کیسے مسائل ثابت کیے ہیں۔ یہ تو ایک اقتباس ہے۔ اتنا کچھ لکھ کر بھی تقریباً ہر سیرت نگار یہی کہتا ہے کہ کچھ نہیں لکھ سکا۔

اسی طرح موجودہ دور میں بین الاقوامی تعلقات اور معاہدوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سیرت مبارکہ میں اس حوالے سے بہت سے معاہدے اور وثائق موجود ہیں اور اپنے اندر بہت سی حکمتیں اور راہ نمائیاں لیے ہوئے ہیں اور کسی بھی نوعیت کی پیش آنے والی صورت میں راہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ تو ممکن ہے کہ کسی قوم یا شخصیت نے معاہدوں کی صورت میں بہت سی راہ نمائیاں فراہم کی ہوں لیکن معاہدات نبویہ کی جامعیت اور حکمت کو وہ نہیں پاسکیں گے۔

③استنادی حیثیت کی حامل سیرت

جب سے دنیا بنی ہے اس میں بڑے بڑے باکمال لوگ ہر فیلڈ میں گزرے ہیں اور آئندہ بھی گزرتے رہیں گے۔ ان کی زندگیاں سینۂ تاریخ میں محفوظ بھی ہیں مگر ان کی سوانح لکھنے والوں کی اکثریت کا کسی کو علم نہیں۔ اگر علم ہے بھی تو تعارف نہیں، تعارف ہے تو جو معلومات کتاب میں درج ہیں ان کی کوئی سند نہیں کہ یہ معلومات مؤلف یا سوانح نگار تک کیسے پہنچیں۔

انسائیکلوپیڈیاز کے اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر متعدد نامور شخصیات کا ذکر ہوتا ہے مگر ان کے متعلق معلومات تک رسائی کا کوئی باقاعدہ ذریعہ نہیں ہوتا۔ انسائیکلوپیڈیاز کی دنیا میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایک معتبر نام ہے۔ میں نے اپنے رفیق انور اعوان صاحب سے عرض کی کہ اس میں کسی شخصیت کے دیے گئے حالات کا انداز مجھے دکھائیں۔ میں دراصل وہ ذریعہ دیکھنا چاہتا تھا جس سے معلومات مؤلف تک پہنچتی ہیں مگر مجھے حیرت ہوئی کہ سکندر اعظم جس کا تعلق 356 قبل از مسیح سے ہے اس کے بارے میں معلومات جن کتب میں شائع ہوئیں، جن کا اس میں حوالہ دیا گیا ہے، ان میں سے کوئی 1960ء میں چھپی ہے تو کوئی 1961ء میں، کوئی 1973ء میں چھپی ہے اور کوئی 1974ء میں، کوئی 1984ء میں چھپی ہے تو کوئی 1991ء میں۔ دو ہزار سال کے اس خلا کو محض ایک کتاب میں آجانے ہی سے پر کردیا گیا۔

یہ ہے مغرب کے ہاں تحقیق کا معیار اور تنقید ان پر کرتے ہیں جنھوں نے ایک ایک لفظ کے لیے علیحدہ علیحدہ اسناد ذکر کرکے ایک ایک چیز کی وضاحت کی ہے۔

امت مسلمہ کو اللہ نے ''سند'' کے جس اعزاز سے نوازا ہے اس پر جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ ''سند'' کے جس ذریعے سے پیغمبر ﷺ کے شب و روز محفوظ ہیں دنیا کے کسی قائد حتی کہ کسی پیغمبر کی سیرت بھی اس انداز سے محفوظ نہیں۔ کسی کے سوانح میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا کہ جو معلومات میں درج کررہا ہوں ان میں سے یہ بات مجھے میرے فلاں استاد نے بتائی اور میرے استاد نے فلاں سے سنا تھا اور انھوں نے فلاں شخص سے ایسے سنا تھا کہ فلاں شخص اس وقت سوتا تھا۔ جبکہ سیرت طیبہ لکھنے والوں کے اپنے حالات بھی محفوظ ہیں اور ان کی کتابوں میں آنے والے تمام راویوں کے حالات، اخلاق و کردار اور ان کے متعلق مطلوبہ معلومات بھی محفوظ ہیں۔ اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت محفوظ کرنے والوں کو دنیا میں یہ صلہ دیا کہ ان کے نام اور حالات بھی تاریخ نے محفوظ کرلیے۔ اور بعد والے انھیں اچھے لفظوں سے یاد کرنے لگے اور ان کے لیے دعاؤں کے نذرانے پیش کرنے لگے۔ سیرت مبارکہ کا یہ وہ منفرد اعزاز ہے جو دنیا کے کسی شخص کے حصے میں نہیں آیا۔

④جامع سیرت

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو یہ اعزاز وامتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ اپنے اندر انتہائی لطافت، باریک بینی اور جامعیت رکھتی ہے۔ سیرت مبارکہ کو ایسی لطافت سے محفوظ کیا گیا ہے کہ تاریخ عالم میں اتنی لطافت سے کسی اور کی سیرت جمع کرنے کا تصور بھی محال ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صرف سنتیں ہی نہیں بلکہ معمولات بھی، آپ ﷺ کی صفات ہی نہیں بلکہ ادائیں بھی، چہرہ مبارک ہی نہیں بلکہ اس کے



تاثرات بھی، آپ ﷺ کی خوابیدگی ہی نہیں بلکہ سوتے میں نکلنے والی آواز بھی، آپ کا چلنا ہی نہیں بلکہ اس رفتار کی تمام کیفیات بھی غرضیکہ ایک ایک ادا تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

سیرت محفوظ کرنے میں لطافت کا اندازہ لگائیے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مسواک کر رہے تھے اس دوران آپ ﷺ کا اوپر والا لب مبارک اوپر اٹھا ہوا تھا۔(صحيح البخاري: 6923) یہ بات بھی حدیث میں محفوظ ہے۔

محدثین کرام اور سیرت نگاروں اور راویان حدیث نے تو اس لکیر کو بھی محفوظ کیا ہے جب آپ حالتِ مرض میں سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے کر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف جا رہے تھے اور زمین پر گھسٹتے ہوئے قدم مبارک نے لکیر کھینچ دی تھی۔(صحيح البخاري: 4442)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے سر اور داڑھی مبارک میں موجود سفید بال شمار کر رکھے تھے کہ وہ 20 سے کم تھے۔ باریکی کا اس حد تک خیال رکھا کہ ان بالوں میں سے ایک بال سرخی مائل تھا اور سرخ ہونے کی وجہ بھی حدیث میں موجود ہے کہ وہ خوشبو کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا۔(صحيح البخاري: 3547) بعض اوقات تعجب یا انتباہ کے طور پر زبان نبوت سے الفاظ جاری ہو جاتے تھے۔ تاریخ نے انھیں بھی اپنے صفحات میں مقام دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اعلیٰ کھجوریں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ دریافت فرمایا: یہ کہاں سے لائے؟ کہنے لگے: دو صاع گھٹیا کھجوریں دے کر ایک صاع اچھی کھجوریں آپ کے لیے لی ہیں۔ فرمایا: «أَوَّه، أَوَّه» ''اوہو، اوہو، ارے یہی تو سود ہے، یہی تو حقیقی سود ہے۔ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' (صحيح البخاري: 2312) غرضیکہ سیرتِ رسول اکرم ﷺ کے ایک ایک پہلو کو بڑی باریکی سے جمع کیا گیا ہے۔

اس بات کا دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ کسی اور کی زندگی کے کسی بھی پہلو یا موقع کو اس قدر باریکی سے جمع نہیں کیا گیا لیکن یہ دعویٰ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جس مبارک ہستی کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو از حد لطافت، جامعیت اور باریکی سے تاریخ میں محفوظ کیا گیا ہے اور ایسے دور میں محفوظ کیا گیا ہے جب انسانیت تحقیق و تفتیش اور طباعت و اشاعت کے اصول و ضوابط سے بالکل نا آشنا تھی، وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

⑤ عالمگیر سیرت

سیرت طیبہ کا یہ بھی یگانہ اعزاز ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ ایسی عالمگیر ہے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں اور معاملات کا احاطہ کرتی ہے۔ دنیا کا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیرت مبارکہ میں اس کے لیے راہ نمائی نہیں ہے۔ تاجر ہو کہ مزدور، افسر ہو کہ ملازم، استاد ہو کہ شاگرد، جج ہو کہ وکیل، حکمران ہو کہ سپہ سالار، پھر کسی شخص کی جو بھی حیثیت ہو مثلاً وہ باپ ہو، دادا ہو، نانا ہو، بیٹا ہو، بھائی ہو ہر ایک کے لیے سیرت طیبہ میں مکمل اسباق چمک رہے ہیں۔ دوسروں کی زندگیوں کا جائزہ لیں حتی کہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کریں اور مطالعہ بھی ان پر ایمان لانے والوں کی کتابوں سے کریں تو یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو شامل اور تمام میدانوں کا احاطہ کرنے والی کوئی سیرت ہے تو وہ صرف سیرت امام الانبیاء ﷺ ہے۔

مثلاً کوئی عیسائی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی سے اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق کوئی راہ نمائی لینا چاہے تو میں اپنے علم کی حد تک کہتا ہوں کہ اسے ایسی روشنی میسر نہ آ سکے گی جو سیرت مصطفیٰ ﷺ میں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شادی ہی نہیں ہوئی تھی۔ کوئی عیسائی حکمران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے اپنی حکمرانی کے اصول و مبادیات تلاش کرنا چاہے تو شاید اس کے لیے ایسا ممکن نہ ہو کیونکہ انھوں نے بحیثیت حکمران زندگی کے دن بسر نہیں کیے۔ اور اس حوالے سے کوئی خاطر خواہ اصول وضع نہیں فرمائے۔

دراصل انسانیت نے عروج اور ترقی کی جو جو منازل طے کرنا تھیں اور جس جس معاملے میں راہ نمائی کی ضرورت پیش آنی تھی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے ایک ہی ہستی کو پیدا فرمایا اور تمام اعلیٰ صفات و حسنات کا مجموعہ بنایا۔ وہ ہیں اللہ کے آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ۔ انسانیت چاند تو کُجا فلک کو بھی چھو لے تب بھی اسے سیرتِ رسول ﷺ ہی سے راہ نمائی کی روشنی ملتی رہے گی۔

⑥ متعدد افراد، شخصیات، اقوام اور قبائل سے تعلقات کی حامل سیرت

دوسروں کی زندگیوں کے مطالعے سے یہ

بات سامنے آتی ہے کہ محض وہی شخصیت ہی ہے جس کی زندگی کا مطالعہ کیا جارہا ہے۔ جیسے دوسروں کو اس کی زندگی میں کوئی دخل نہ ہو، دوسروں سے کوئی وسیع تر تعلقات نہ ہوں اور دوسروں سے کوئی معاملات نہ ہوں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی کا زیادہ تر حصہ دوسروں پر مشتمل ہے۔ ایک طرف جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں تو دوسری طرف یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین، ایک طرف اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم ہیں تو دوسری طرف غیر رشتے دار، ایک طرف سردار ہیں تو دوسری طرف معاشرے کے نادار افراد، ایک طرف شہری زندگی سے منسلک لوگ ہیں تو دوسری طرف بالکل دیہاتی، ایک طرف تاجر ہیں تو دوسری طرف زمیندار، ایک طرف خواتین ہیں تو دوسری طرف بچے۔ نبی ﷺ کی سیرت میں ایسی یک رُخی نہیں کہ پوری زندگی محض چند حواریوں کے ساتھ ہی گزر رہی ہے یا ایک ہی طرح کے بنی اسرائیل کو سمجھاتے عمر بیت رہی ہے اور وہ بھی ایسے جوٹس سے مس نہیں ہوتے۔ بلکہ مختلف احوال، مقامات اور حیثیات کے لوگوں کا سیرت طیبہ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ یہ وہ امتیاز ہے جو شاید ہی کسی اور عظیم ہستی کو حاصل ہوا ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طبقے کا ہر شخص یہی محسوس کرتا ہے کہ رسول تو بس ہمارے ہیں۔

⑦ معجزات نہیں بلکہ دلائل پر مبنی سیرت

سیرت النبی ﷺ کا یہ بھی امتیاز ہے کہ اس کا زیادہ تر انحصار خرق عادت امور یا معجزات پر مبنی نہیں بلکہ دلائل پر ہے۔ آپ ﷺ نے تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنی کاوشیں بروئے کار لاکر نصرتِ الٰہی سے اپنے اہداف و مقاصد حاصل کیے۔ یہ کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا کہ لوگ آپ کے معجزات دیکھ کر ایمان لائے ہوں بلکہ معجزات طلب کرنے والے تو وہ تھے جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے تھے۔ یہاں تو جو ایمان لایا وہ علی وجہ البصیرت لایا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوگر معجزہ دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی اکثریت ان کے معجزوں سے متاثر تھی۔ معجزوں کا ظہور آپ ﷺ سے بھی ہوا۔ معجزات نبوی رسولِ اکرم ﷺ کی عزت و تکریم کا باعث بنے اور دشمنانِ رسول کا منہ بند کرنے کے لیے انتہائی مؤثر اور مسکت ثابت ہوئے۔ اسی طرح وہ اہل ایمان کے لیے ایمان میں اضافے کا باعث بنے لیکن ہٹ دھرم قوم کے لیے ایمان لانے کا باعث نہ بن سکے۔ میرے ناقص علم کے مطابق اکا دکا واقعات کے علاوہ شاید ہی کوئی شخص ہو جو معجزات دیکھ کر آپ ﷺ پر ایمان لایا ہو۔ (صحيح البخاري: 344)

اللہ کی طرف سے کفار کے مطالبے پر کہ ہم پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی، یہی جواب آیا: ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ ''کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے جو انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟'' (العنکبوت 51,50:29)

نبی کریم ﷺ کی سیرت کے اس امتیازی پہلو میں امت مسلمہ کے لیے یہ درس ہے کہ نبی ﷺ نے جو دعوت پھیلائی وہ اپنے اعلیٰ کردار و اخلاق اور دلائل کی روشنی سے پھیلائی نہ کہ خرق عادت امور کے اظہار سے کیونکہ ایسے معجزات تو انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہی چلے جاتے ہیں جبکہ نبی ﷺ کا اعلیٰ کردار اور روشن دلائل آج بھی موجود ہیں۔ انھیں اپنا کر اور دلائل دوسروں تک پہنچا کر مسلمان اب بھی دعوت کا کام علی وجہ البصیرت انجام دے سکتے ہیں۔

⑧ متعدد احوال کی حامل سیرت

نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ کو بہت سے نشیب وفراز سے گزرنا پڑا اور کئی قسم کے حالات سے آپ گزرے اور ہر حال میں کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔ حالت یتیمی میں ولادت سے لے کر جزیرہ نمائے عرب کے کامیاب حکمران بننے تک کے مراحل میں کبھی آپ ﷺ بکریاں چراتے نظر آتے ہیں، کبھی تاجر کی حیثیت سے، کبھی دشمن کی حراست میں، کبھی جنگ کے میدان میں زرہ پہنے ہوئے، کبھی ہجرت کی راہوں میں، کبھی ازواج کے ساتھ، کبھی اصحاب کے ساتھ، کبھی چولہا نہیں جلتا، کہیں جھولیاں بھر بھر کے خرچ کررہے ہیں، کبھی دوسروں کے قرض کا ذمہ لے رہے ہیں اور کبھی اپنی زرہ راشن کے عوض رہن رکھی ہوئی ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی ہزار پہلو داستانِ حیات ہر شخص کے لیے ہر اعتبار سے مینارۂ نور ہے۔

صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابداً ابدًا کثیراً کثیرا



آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

موت کا اچانک آجانا

سوال «مَوْتُ الْفَجْأَةِ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ وَأَخْذَةُ أَسَفٍ عَلَى الْكَافِرِ» ''اچانک موت مومن کے لیے رحمت ہے اور کافر کے لیے ناراضی کی پکڑ ہے۔'' ازروئے سند یہ روایت کیسی ہے؟

جواب یہ روایت مسند احمد (136/6)، سنن بیھقی (379/3) اور شعب الإیمان (457/12، طبع جدید) وغیرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کچھ سیاق کا فرق ہے۔ مسند احمد میں درج ذیل الفاظ سے مروی ہے: «مَوْتُ الْفَجْأَةِ رَاحَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ وَأَخْذَةُ أَسَفٍ لِلْفَاجِرِ» لیکن اس کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے: ایک تو اس میں عبیداللہ بن ولید الوصّافی ضعیف راوی ہیں جیسا کہ تقریب میں ہے، امام نسائی وغیرہ کی نظر میں متروک ہے۔ (الضعفاء والمتروکین: 205/1، برقم: 354) دوسرے راوی عبداللہ بن عبید بن عمیر ہیں جن کا سیدہ عائشہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: «رواه أحمد والطبراني في الأوسط، وفيه قصة، وفيه عبيدالله بن الوليد الوصّافي، وهو متروك» ''اسے احمد نے اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اور اس میں ایک قصہ بھی ہے، اس میں عبیداللہ بن ولید وصافی متروک ہے۔'' (مجمع الزوائد: 375/2)

ملحوظہ: مذکورہ حدیث کے بجائے «مَوْتُ الْفَجْأَةِ أَخْذَةُ الْأَسَفِ» کے الفاظ بسند صحیح ثابت ہیں، مفہوم یہ ہے کہ اچانک موت ناراضی کی پکڑ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی دلیل ہے۔ یہ حدیث سنن أبي داود (حدیث: 311)، مسند أحمد (219/4,424/3) اور سنن بیهقي (378/3) میں عبید بن خالد سے مرفوعاً اور موقوفاً بھی مروی ہے جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔ یقیناً کافر کے حق میں ایسی موت زحمت ہی کا باعث ہوتی ہے کہ اسے توبہ کا موقع اور ایمان کی دولت بھی نصیب نہیں ہوتی کہ وہ اس دنیا سے بحالت کفر چل بستا ہے۔ رہا مومن تو اسے اللہ تعالیٰ ایسی موت سے محفوظ فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اچانک موت اور ہلاکت سے پناہ مانگی ہے «وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي» (سنن أبي داود: 5074، صحیح ابن ماجه: 332/2)

ایک حدیث میں اچانک موت کو قیامت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ «إِنَّ مِنْ أَمَارَاتِ السَّاعَةِ..... أَنْ يَظْهَرَ مَوْتُ الْفَجْأَةِ» (صحیح الجامع الصغیر: 5775، والحدیث حسن کما قال الألباني)

بحالتِ مرض ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.....'' پڑھنے کی فضیلت

سوال بیماری کے وقت جو شخص «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ» پڑھتا ہے اگر وہ وفات پا جائے تو اسے آگ نہیں کھائے گی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب جس روایت کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔ کتب ستہ میں سے سنن ترمذی (حدیث: 3430) اور سنن ابن ماجه (حدیث: 3794) میں آتی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، بعض نسخوں میں

حسن غریب ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ترمذی (حدیث: 2727) میں ذکر کیا ہے۔ قارئین کے لیے مزید فائدے کی خاطر پوری حدیث ذکر کردی جاتی ہے۔

اَغرّ ابومسلم نے کہا: میں ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کے حق میں گواہی دیتا ہوں کہ ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں سب سے بڑا ہوں۔ اور جب بندہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ» پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، میں اکیلا ہی ہوں۔ اور جب آدمی «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ» پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واقعی میرے سوا کوئی برحق معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں۔ اور جب بندہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ» پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں، بادشاہت اور سب تعریف میرے ہی لیے ہے۔ اور جب انسان «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کوئی سچا معبود نہیں مگر میں ہی ہوں، برائی سے بچنا اور نیکی کرنے کی قوت و طاقت ملنا صرف میری وجہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: جس شخص نے یہ کلمات بحالتِ مرض پڑھے اور پھر فوت ہوگیا تو اسے آگ نہیں کھائے گی۔

''ثمنِ قلیل'' کا قرآنی مفہوم

سوال کیا تقریر یا خطبے پر اجرت لینا ''ثمنِ قلیل'' میں آتا ہے؟

جواب تقریر یا خطبے پر معروف طریقے سے علمائے کرام کو ملنے والی تنخواہ، اجرت و وظائف یا تحائف شرعاً ثمنِ قلیل نہیں ہے۔ بلکہ قرآنی اصطلاح میں علم وحی کا کتمان، ہدایت کے بدلے گمراہی، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و غفران کے مقابلے میں اس کی ناراضی اور عذاب، نیز حق کے بدلے باطل کو چند ٹکوں اور ذاتی اغراض کی خاطر مول لینا ہی حقیقت میں ثمنِ قلیل ہے۔ خواہ کتمانِ حق کا یہ بدل دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں ہی کیوں نہ ہو، حقیقت میں وہ گھاٹے کا سودا اور قرآنی اصطلاح میں ثمنِ قلیل ہے، اگرچہ دنیاداروں کی نظروں میں وہ بہت بڑا نفع یا ثمن کثیر ہی سمجھا جاتا ہو۔

چونکہ اس موضوع کی آیات نزول کے لحاظ سے اہل کتاب سے متعلق ہیں جن کا وتیرہ یہی تھا کہ اسلام کو دبایا جائے، قرآن کی تکذیب کی جائے اور نبی آخرالزمان کی دعوتِ حق کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں۔ یہ سب کچھ ذاتی اغراض اور دنیوی مفادات کی خاطر تھا۔ اب جو شخص بھی دنیوی متاعِ قلیل کی خاطر یہود و نصاریٰ کی مذکورہ ڈگر پر چلے گا وہ اس مضمون کی آیات کا مصداق ہوگا اور ابطالِ حق کے معاوضے میں اسے ملنے والا ہر نفع اور مفاد خواہ کتنا ہی بیش قیمت کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ثمنِ قلیل ہی ہوگا۔

اس مضمون کی آیات ملاحظہ فرمایئے تو ثمنِ قلیل کا قرآنی مفہوم ازخود بالکل واضح معلوم ہوگا۔

① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں سے اتارا ہے اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھا رہے اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن بات کرے گا، اور نہ انھیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (البقرۃ 2:174)

② سورۂ آل عمران میں فرمایا: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ ''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انھوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی، سو برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں۔'' (آل عمران 3:187)

③ نیز فرمایا: ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾

''اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں لیتے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' (آل عمران 199:3) مزید سورۂ نساء کی آیات 46,45,44 بھی دیکھ لی جائیں۔

رشوت سے ملازمت کا حصول اور توبہ

سوال ایک شخص رشوت دے کر ملازمت حاصل کر لیتا ہے اور ملازمت حاصل کرنے کے بعد اپنا کام ایمان داری سے کرتا ہے اور مخلص ہو کر کرتا ہے۔ تو آیا کہ وہ پیسہ جو اسے ملتا ہے وہ حرام ہوگا یا حلال؟ براہِ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح دلیل کے ساتھ رہنمائی فرمائیں۔ شکریہ (احمد افضل، لاہور)

جواب صورتِ مسئولہ میں بیان کردہ حقیقت اگر اُسی طرح ہے جیسے بیان کی گئی ہے تو یقیناً اس کی کمائی حلال ہوگی، کیونکہ سچی توبہ اور اعترافِ گناہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اس انسان کی مانند ہو جاتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو، رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی ہے: «اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ» ''گناہ سے تائب اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔'' (سنن ابن ماجه:4250، شعب الإيمان:7040 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

اعترافِ گناہ اور توبہ سے گناہوں کی معافی کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہوا ہے، مثلاً: سورۂ زمر میں ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر 53:39)

لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شخص جس منصب پر فائز ہو اس کی اہلیت بھی رکھتا ہو تو ان شاء اللہ حاصل ہونے والا پیسہ حلال ہوگا کیونکہ یہ اس کی محنت اور ان واجبات کی ادائیگی کا بدل اور معاوضہ ہوگا جو اس نے ایمانداری اور اخلاص سے سرانجام دیے ہیں۔ اور اگر نااہل ہو تو ایسے شخص کا تقرر یقیناً ضیاعِ امانت کے زمرے میں آتا ہے، جو قیامت کی ایک نشانی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

خود ہی رشتے کی بات چلانا

سوال میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ صاحبِ اولاد ہوں، اور دوسری شادی کے لیے اہلیہ نے بھی اجازت دے دی ہے لیکن ہوا یہ کہ میں براہِ راست خود ہی لڑکی کے ماں باپ سے جا ملا اور ان سے رشتہ مانگ لیا، جسے انھوں نے اچھا نہیں سمجھا، بلکہ برہم ہوئے۔ اس وجہ سے اقارب و احباب بھی نالاں ہیں، کیا میرا یہ اقدام خلافِ شرع تھا؟ (السائل، بوساطت: قاری عبداللہ، کوٹ عبدالمالک، لاہور)

جواب بشرطِ صحتِ سوال و ثبوتِ حقیقت حال لڑکی کے والدین کو از خود براہِ راست پیغامِ نکاح دینے یا اپنی خواہش کے اظہار میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اور نہ اس حوالے سے قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی مانع ہی معلوم ہے لیکن اس میں کوئی شبہ والی بات نہیں کہ کبھی کبھار عرف کا خیال رکھنا بھی، جبکہ اس سے شرعاً کوئی قباحت لازم نہ آتی ہو، از حد ضروری ہوتا ہے، بصورتِ دیگر بڑا فتنہ و فساد اور شر جنم لے سکتا ہے جیسا کہ سوال میں ذکر کردہ حقیقت اور آپ کا عمل اس کا واضح ثبوت ہے۔ ہمارے ہاں اس طریقے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، اس لیے عرفی طریقہ یا معاشرتی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز اس حوالے سے کسی معاشرے کا جو بھی معروف طریقہ ہو وہی اپنانا بہتر ہوتا ہے۔

وہ چند صحیح احادیث جن کی روشنی میں براہِ راست پیغامِ نکاح دینے یا اپنی خواہش کے اظہار کا بظاہر جواز کشید ہوتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

① ابوحاتم مُزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا جَاءَ كُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهٗ وَخُلُقَهٗ فَأَنْكِحُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَ فَسَادٌ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ.....» ''جب تمھارے پاس وہ شخص آئے جس کے دین و اخلاق پر تم راضی ہو تو اس کا نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد بپا ہو جائے گا، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا.....''

(سنن الترمذی: 1085)

② ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ» (سنن الترمذی: 1084)

③ «عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا» ''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی عورت کو پیغامِ نکاح بھیجا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے دیکھ بھی لو کیونکہ اس سے تم دونوں کے درمیان محبت پیدا ہوسکتی ہے۔'' (سنن الترمذی: 1087)

④ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو جب ان کے خاوند نے تیسری طلاق بھیج دی اور وہ اپنی عدت سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم کی طرف سے پیغام نکاح آیا ہے تو آپ نے اسامہ بن زید سے نکاح کرنے کی تلقین فرمائی۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں: «أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَأَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِي» (صحیح مسلم: 1480)

⑤ بُریدہ سے مروی ہے: «خَطَبَ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہما فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّهَا صَغِيرَةٌ، فَخَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ» ''ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے (بذاتِ خود) رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ابھی چھوٹی ہے (یعنی اس کی عمر کم ہے) بعدازاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا تو آپ علیہ السلام نے ان سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کردی۔'' (سنن النسائي: 3223)

⑥ سیدنا عمر فرماتے ہیں: «خَطَبَ النَّبِيُّ إِلَيَّ حَفْصَةَ، فَأَنْكَحْتُهُ» ''نبیِ کریم ﷺ نے مجھے حفصہ کے لیے پیغام نکاح دیا تو میں نے آپ کو حفصہ نکاح میں دے دی۔'' (صحيح البخاري، قبل حديث: 5134، مختصر صحيح البخاري، از البانی: 3/367)

⑦ نیز رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیغام نکاح خود ہی دیا تھا۔ (صحيح البخاري، قبل حديث: 5082)

المختصر مذکورہ دلائل کے ظاہر سے معلوم ہوا کہ براہِ راست والدین کو پیغام نکاح دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ وہ اسے برا نہ منائیں یا اس سے کسی فتنے کا خدشہ نہ ہو، وباللہ التوفیق۔

نعت رسول کریم ﷺ

نعیم صدیقی

ہے مضطرب سی تمنا کہ ایک نعت کہوں!
میں اپنے زخموں کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر ان پہ شبنم اشک سحر گہی چھڑکوں
پھر ان سے شعر کی لڑیاں پرو کے نذر کروں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبۂ بیمار
یہ اپنی گرمیٔ گفتار، پستیٔ کردار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار، اڑ گیا مضموں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

نہ سامنے کوئی منزل، نہ راستہ معلوم
نہ رہزنوں کی خبر ہے، نہ رہنما معلوم
یہ کیا مقام ہے، اپنا نہیں پتا معلوم
یہ کیا زمین ہے، آخر یہ کون سا گردوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

پہن کے تاج بھی، غیروں کے ہم غلام رہے
فلک پہ اڑ کے بھی شاہیں اسیرِ دام رہے
بنے تھے ساقی مگر پھر شکستہ جام رہے
دل و نگاہ پہ طاری فرنگیوں کا فسوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

ترے مقام کی عظمت بھلا کے بیٹھے ہیں
ترے پیام کی شمعیں بجھا کے بیٹھے ہیں
ترے نظام کا خاکہ اڑا کے بیٹھے ہیں
ضمیر شرم سے پُرداغ، قلب ہے محزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

نبوی اخلاق کے دو واقعات



تم آجاؤ، سو اونٹ ملیں گے

حنین کی جنگ میں مشرکین کی فوج کا سردار مالک بن عوف النصری تھا۔ بنوہوازن سے تعلق رکھنے والا یہ کمانڈر بنوثقیف کے تعاون سے پچیس ہزار کے لشکر کے ساتھ حنین کے میدان میں اترا۔ یہ شخص بلاشبہ بہت بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ اس کا احترام اس درجہ تھا کہ اس نے جب یہ فیصلہ سنایا کہ پوری قوم اپنے ساتھ اپنے مال، مویشی، عورتیں اور بچے بھی لے کر میدان جنگ میں آئے تو لوگوں نے اس کی بات کو تسلیم کرلیا۔ اس کے مؤقف کی مخالفت بھی کی گئی مگر اس کے باوجود یہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ اس کا مؤقف تھا کہ ہمارے فوجیوں کو معلوم ہوگا کہ ہم نے اسی میدان میں ڈٹے رہنا ہے، راہِ فرار اختیار نہیں کرنی کیونکہ جن کے پاس بھاگ کر جانا ہے وہ تو ہمارے پاس ہیں۔ اگر اس کی فوجی تنظیم اور ترتیب کو دیکھا جائے تو وہ بڑی کامیاب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور وہ بھاگنے لگتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی شجاعت اور بہادری کی بدولت بھاگتے ہوئے مسلمان لوٹ آئے اور جم کر لڑائی کی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔ بنوثقیف اور بنوہوازن بھاگ اٹھے۔ ان بھاگنے والوں میں اس فوج کا کمانڈر مالک بن عوف بھی تھا۔ وہ بھاگ کر طائف میں بنوثقیف کے قلعے میں محفوظ ہوگیا۔ اسی دوران میں اس کے قبیلے بنوہوازن نے اسلام لانے کے بارے میں سوچا اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی عورتیں اور بچے واپس کردیے۔ قارئین کرام! ذرا غور کیجیے، ایک کمانڈر جو میدان جنگ میں بری طرح شکست کھاچکا ہو، اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ مالک بن عوف کی حالت یہ ہے کہ اپنے قبیلے سے الگ بنوثقیف کے رحم و کرم پر ہے، نہ اس کے پاس مال و متاع ہے، نہ قبیلے کے افراد ہیں۔ اسے بنوثقیف سے بھی ڈر ہے کہ وہ اسے حنین کی جنگ میں ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرا کر قتل نہ کردیں۔

قارئین کرام! یہ مالک بن عوف ہے جو شکست خوردہ کمانڈر ہے، کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں۔ لوگ اس سے نفرت کررہے ہیں کہ اس کی وجہ سے شکست ہوئی، مگر ایک شخصیت ایسی بھی ہے جو اس کے لیے خیرخواہانہ سوچ رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کے جذبات رکھتی ہے۔ یہ شخصیت اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ نے مالک بن عوف کی قوم کے افراد

سے پوچھا: ''مالک بن عوف کہاں ہے؟'' انھوں نے بتایا: وہ طائف کے قلعے میں ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ وہ نہایت خوف زدہ اور اپنے مستقبل سے پریشان ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «أَخْبِرُوا مَالِكًا أَنَّهُ إِنْ أَتَانِي مُسْلِمًا» ''مالک کو اطلاع دو کہ اگر وہ مسلمان بن کر میرے پاس آجائے تو'' «رَدَدْتُ عَلَيْهِ أَهْلَهُ وَمَالَهُ» ''میں اس کے اہل و عیال اور مال اسے واپس کردوں گا۔'' «وَأَعْطَيْتُهُ مِائَةً مِّنَ الْإِبِلِ» ''اور اسے سو اونٹ بھی دوں گا۔''

قارئین کرام! کیا کوئی اپنی جان کے دشمن کے ساتھ اس قسم کے سلوک کا سوچ بھی سکتا ہے؟ کیا اس فوج کا کمانڈر جس نے حال ہی میں فتح حاصل کی ہو، اپنے دشمن کے بارے میں ایسی مثبت سوچ رکھ سکتا ہے؟ یہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا اخلاق تھا کہ آپ دشمن کو بھی سینے سے لگا رہے ہیں۔

مالک بن عوف کو جب اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام ملا تو گویا یہ اس کے دل کی آواز تھی جس مصیبت اور پریشانی سے وہ دوچار تھا، اس کا حل یہی تھا کہ وہ اسلام قبول کرلے۔ چنانچہ وہ فوراً طائف سے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اسلام قبول کرتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق دیکھیے کہ آپ نے اس پر کوئی شرط عائد نہیں کی۔ اسے ملامت کی نہ برا بھلا کہا اور نہ کوئی سوال و جواب کیا بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے تصور سے بڑھ کر اچھا سلوک کیا۔ مالک بن عوف کو دوبارہ بنوہوازن کا سردار مقرر کیا جاتا ہے اور اسے طائف کو فتح کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔(السيرة النبوية لابن هشام: 4 / 134، والاصابة: 551,550/5، وأسد الغابة: 38/5، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 600، والبداية والنهاية: 633,632/4)

اُم خالد کو بلاؤ، وہ کہاں ہے؟

بچی کا نام امۃ بنت خالد اور کنیت ام خالد تھی۔ یہ سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ قریشی خاندان سے تعلق رکھنے والے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام اور ان خوش قسمت صحابہ میں سے تھے جنھیں حبشہ کی ہجرت نصیب ہوئی۔ امۃ بنت خالد حبشہ میں پیدا ہوئیں اور اپنا بچپن وہیں گزارا۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت خلف الخزاعیہ تھا۔

اس بیٹی نے بچپن میں حبشی زبان کے بعض کلمات بھی سیکھ لیے تھے۔ ان کے والد گرامی نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حبشہ سے مدینہ طیبہ کے لیے دوسری ہجرت کی۔ چھوٹی سی اس بچی کو اس کے والدین ام خالد کی کنیت سے پکارتے تھے۔ بچی کی یہ کنیت اللہ کے رسول ﷺ نے ہی رکھی تھی۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے: اللہ کے رسول ﷺ صرف اپنے صحابہ ہی سے نہیں بلکہ ان کے بچوں سے بھی محبت فرماتے تھے اور خاص مواقع پر انھیں یاد رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کچھ کپڑے آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو صحابہ کرام میں تقسیم کرنا شروع کردیا۔ ان کپڑوں میں ایک چادر بہت ہی خوبصورت تھی۔ سرخ اور پیلی کڑھائی والی اس سیاہ ریشمی شال کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور صحابہ کرام سے پوچھا: «مَنْ تَرَوْنَ نَكْسُوهَا هٰذِهِ الْخَمِيصَةَ» ''تم کسے اس بات کا زیادہ حق دار سمجھتے ہو کہ اسے یہ شال پہنائی جائے؟'' صحابہ کرام احتراماً خاموش ہیں لیکن ذہنوں میں خیال ضرور پیدا ہوا کہ وہ کون خوش قسمت ہوگا جسے یہ خوبصورت، جاذبِ نظر اور منقش کپڑا ملے گا۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ کیا حکم صادر فرماتے ہیں اور یہ اعزاز کسے ملتا ہے؟ خیال رہے کہ اہل اسلام کو اس طرح کا قیمتی کپڑا کبھی کبھار ہی میسر ہوتا تھا۔ ارشاد فرمایا: «ائْتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ» ''ام خالد کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔'' ایک صحابی دوڑتے ہوئے گئے اور ان کے والد کو بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کی بچی کو طلب فرما رہے ہیں۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے جلدی سے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور ام خالد کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

قارئین کرام: اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ چاہتے تو یہ کپڑا ان کے گھر بھی بھجوا سکتے تھے مگر آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے ام خالد کو یہ خوبصورت کپڑا

پہنانے کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس بچی کی خوشی میں بنفس نفیس شرکت فرما رہے ہیں، صحابہ کرام یہ منظر بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ انھیں پہنا بھی رہے ہیں اور اپنی زبان حق ترجمان سے یہ فرما بھی رہے ہیں: «هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ! هٰذَا سَنَا» ''ام خالد! یہ کپڑا تمھیں بہت جچ رہا ہے، یہ بہت خوبصورت ہے۔'' (سَنَا) حبشی زبان میں خوبصورت چیز کو کہتے ہیں۔ چھوٹی سی بچی یہ تحفہ ملنے پر بڑی شاداں وفرحاں ہے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے انھیں کپڑا پہنایا۔ آپ ذرا تصور فرمائیں! ام خالد کو پوری زندگی یہ واقعہ بھولا تو نہ ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بچپن میں یہ شال پہنائی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس بچی کو ایک اور تحفہ دیتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي» ''تم اس کے پرانا ہونے تک ایک لمبا عرصہ اسے پہنو'' یعنی برسہا برس تک جیتی رہو۔ دوبارہ پھر یہی ارشاد فرمایا: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي» تیسری مرتبہ پھر فرمایا: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي» ''تم اسے پرانا کرو، بار بار پہنو اور لمبی عمر پاؤ۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی ام خالد کے حق میں یہ دعا قبول ہوئی اور انھوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ صحابیات میں سب سے آخر میں وفات پانے والی ام خالد رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔

ام خالد اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھوں تحفہ پاکر بہت خوش ہے، وہ آپ کی پشت پر ابھری ہوئی مہر نبوت کی علامت کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتی ہے۔ ام خالد کے والد اسے منع کر رہے ہیں، ڈانٹ رہے ہیں: ام خالد، بیٹی! یہ کیا کر رہی ہو؟ مگر اللہ کے رسول ﷺ کی رحمت اور شفقت کو دیکھیے کہ آپ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں: «دَعْهَا» ''چھوڑ دو خالد! (اسے کھیلنے دو)'' ام خالد کا جب تک جی چاہا وہ اللہ کے رسول ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ کھیلتی رہیں۔

قارئین کرام! ذرا اس واقعے کو ایک بار پھر غور سے پڑھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کائنات کی مصروف ترین شخصیت تھے، مگر یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا، بچوں کے ساتھ محبت اور پیار تھا۔ ساتھیوں کی وفائیں اور ان کی قربانیاں اللہ کے رسول ﷺ کو یاد تھیں۔ آپ اپنے ساتھیوں اور ان کے گھرانوں کو اعزاز دینا چاہتے تھے، اسی لیے آپ ان کے بچوں کے ساتھ اس طرح کے التفات اور محبت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔

ننھی سی ام خالد اور ان کے خاندان والوں کو اللہ کے رسول ﷺ کا دیا ہوا یہ اعزاز کبھی نہیں بھولا۔ ذرا اس باپ سے پوچھیں کہ جب اس کی بیٹی کو اللہ کے رسول ﷺ اپنے دستِ مبارک سے یہ کپڑا پہنا رہے تھے، اس کی خوشی کا عالم کیا تھا؟ وہ بیٹی کے لیے آپ ﷺ کے ان الفاظ کو کیسے بھول سکتے تھے: «هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ! هٰذَا سَنَا» ''ام خالد! یہ بہت خوبصورت کپڑا ہے، یہ تمھیں بہت جچ رہا ہے۔'' (صحيح البخاري: 5845، وسنن أبي داود: 4026)

قارئین کرام! یہ تھی ہمارے رسول ﷺ، ہمارے نبی، ہمارے ہادی اور ہمارے راہنما کے اعلیٰ اخلاق اور شفقت و محبت کی ایک جھلک۔

ام خالد بچپن ہی سے بہت ذہین وفطین بچی تھیں۔ غزوہ خیبر کے ایام میں دو بڑے بحری جہاز مہاجرین کو لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ انھی دنوں اہل اسلام کو خیبر کی فتح نصیب ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی آنے والوں میں شامل تھے۔ مہاجرین جب وہاں سے آنے لگے تو نجاشی اپنے حاشیہ برداروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ انھیں الوداع کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو وصیت کی:

اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے میرا سلام کہنا نہ بھولنا۔ ام خالد رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ اس ذہین بچی نے اس بات کو یاد رکھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے نجاشی کا سلام وہی پہنچائے۔ آپ نے مہاجرین حبشہ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا: «وَاللّٰهِ لَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَفْرَحُ، بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ» ''اللہ کی قسم! مجھے پتا نہیں چل رہا کہ آج مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، خیبر فتح ہونے کی یا جعفر کے آنے کی۔''

ام خالد رضی اللہ عنہا سلام کہنے والی بات کو نہیں بھولی تھی، اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو مسکراتے ہوئے نجاشی کا سلام پہنچا دیا۔ ابن حجر نے 'الاصابۃ' میں ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس بچی کو پیار کیا اور اس کی کنیت ام خالد رضی اللہ عنہا رکھی۔



موسم سرما سے متعلقہ احکام ومسائل اور احتیاطی تدابیر

حافظ شبیر صدیق

موسم خاصی حد تک سرد ہو چکا ہے۔ احادیث میں موسم سرما کو جہنم کا ایک سانس کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ: أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ فِي الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ» ''آگ نے اپنے رب سے التجا کرتے ہوئے کہا: اے میرے رب! (شدت کی وجہ سے) میرا بعض حصہ بعض حصے کو کھا رہا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک ٹھنڈا سانس اور ایک گرم سانس۔ موسم سرما میں سردی کی شدت اور موسم گرما میں گرمی کی جو شدت تم محسوس کرتے ہو یہ انھی سانسوں کی وجہ سے ہے۔'' (صحيح البخاري: 3260) دین اسلام ایک موسمی دین نہیں ہے بلکہ یہ اپنے ماننے والوں کی ہر موسم میں مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ موسم کی تبدیلی کی وجہ سے انسانی زندگی میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے اس حوالے سے اسلام کی تعلیمات بہت واضح ہیں۔

موسمِ سرما موسم بہار کیسے؟

موسم سرما کو مومنوں کا موسمِ بہار کہا جاتا ہے، اس لیے کہ موسم سرما میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں۔ دن چھوٹے ہونے کی وجہ سے روزے رکھنا بہت آسان ہوتا ہے۔ راتیں لمبی ہونے کی وجہ سے رات کا کچھ حصہ نماز اور اپنے رب سے التجائیں کرنے کے لیے مختص کرنا موسم گرما کی نسبت آسان ہوتا ہے۔ خصوصاً ان خواتین وحضرات کے لیے یہ موسم بہت موزوں ہوتا ہے جو کسی عذرِ شرعی کی بنیاد پر رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ نہیں رکھ سکے وہ ان دنوں میں بہت آسانی سے روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ایام بیض، سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھنا بھی نہایت آسان ہوتا ہے۔ اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''موسم سرما کے روزے غنیمت ہیں۔'' (جامع الترمذي: 797 اسناده ضعيف) ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ موسم سرما میں کھجور کے ساتھ روزہ افطار کرتے تھے اور موسم گرما میں پانی کے ساتھ۔ (سنن أبي داود: 696) گویا کہ موسم سرما کو جو مومنوں کا موسمِ بہار کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس موسم میں نیکیاں کمانے کے بہت زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے موسمِ سرما میں پت جھڑ کے موسم کو مسلمان کے گناہوں سے تشبیہ دی ہے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سردی کے موسم میں ایک دن باہر نکلے، اس وقت پت جھڑ کا موسم تھا۔ آپ ﷺ نے درخت کی ایک ٹہنی کو پکڑ کر ہلایا تو پتے جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر!'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک مسلمان بندہ جب اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔'' (صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 384)

موسم سرما میں اچھی طرح وضو کرنے سے خطائیں معاف ہوتی ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا: «أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ» ''کیا میں



تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ خطائیں معاف کرتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے؟'' ہم نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! کیوں نہیں، ضرور بتائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ» ''نہ چاہتے ہوئے بھی وضو مکمل کرنا، مسجد کی طرف زیادہ قدم چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، پس یہ رباط ہے۔'' (صحیح مسلم: 251)

حدیث میں مذکور ''نہ چاہتے ہوئے بھی وضو مکمل کرنے۔'' کی وضاحت کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے کہ سرد موسم میں گرم پانی میسر نہ ہونے کی صورت میں ٹھنڈے پانی سے مکمل اہتمام کے ساتھ وضو کرنا۔ ایسی صورت میں خطائیں معاف اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

وضو کے حوالے سے اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کہنیوں کو اچھی طرح اور مکمل دھویا جائے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اگر جرسی پہنی ہو تو وضو کے وقت اسے اتارنے کے بجائے ویسے ہی اس کے بازو اوپر کو چڑھا لیے جاتے ہیں۔ اس طرح کہنیاں دھونے میں مشکل پیش آتی ہے جس وجہ سے کچھ حصہ خشک رہ جاتا ہے۔ اس طرح وضو نامکمل رہتا ہے، لہٰذا اس بات کا خیال رکھا جائے اور کہنیاں اچھی طرح دھوئی جائیں۔

موسم سرما سے متعلقہ بعض احکام

ایک ہی وضو: موسم سرما میں شریعت نے اہل ایمان کو عبادات میں بہت ساری رخصتوں سے نوازا ہے۔ سخت سردی کے موسم میں، خصوصاً جب بہت زیادہ دھند پڑتی ہو اور سورج بھی دن بھر دھند کی اوٹ میں رہتا ہو تو پانی کا استعمال بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہر نماز کے لیے الگ سے وضو کرنا ''جوئے شیر لانے'' کے مترادف ہوتا ہے۔ شریعت نے اس حوالے سے یہ سہولت رکھی ہے کہ ایک ہی وضو اگر قائم رہے تو اس سے پانچ نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ یہ رخصت عام دنوں میں بھی ہے مگر ان دنوں خاص طور پر اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

جرابوں یا موزوں پر مسح: موسم سرما میں تقریباً ہر شخص موزے یا جرابیں استعمال کرتا ہے۔ ہر نماز کے وقت جرابوں کو اتار کر وضو کرنے سے دقت پیش آتی ہے۔ شریعت نے اس حوالے سے بھی رخصت دی ہے کہ آدمی اگر وضو کر کے جرابیں یا موزے پہن لے تو پانچوں نمازوں میں ان پر صرف مسح کر لے تو کفایت کر جائے گا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ» ''رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔'' (سنن أبی داود: 159)

جرابوں کے حوالے سے ایک کوتاہی بہت زیادہ برتی جاتی ہے۔ وہ یوں کہ جرابیں میلی ہونے کے باوجود بعض لوگ دھونے کے بجائے ویسے ہی استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ خود تو اذیت برداشت کرتے ہی ہیں اور ساتھ میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ صرف لوگ ہی نہیں بلکہ فرشتے بھی اس سے اذیت محسوس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس چیز سے لوگ اذیت محسوس کرتے ہیں فرشتے بھی اس سے اذیت محسوس کرتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: 564) اس طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ جیسے ہی جرابیں میلی ہوں یا ان سے بدبو آنی شروع ہو جائے تو انھیں دھو لینا چاہیے تاکہ لوگوں اور فرشتوں کے لیے یہ اذیت کا باعث نہ بنیں۔

پگڑی پر مسح: سخت سردی میں وضو کرتے ہوئے پگڑی کے اتارنے میں بھی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ اس میں بھی شریعت نے یہ رخصت دی ہے کہ پگڑی پر مسح کر لیا جائے۔ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ» ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پگڑی پر مسح کیا۔'' (صحیح البخاري: 205) بعض اہل علم ایسی گرم ٹوپی کو بھی پگڑی کے حکم میں رکھتے ہیں جس کے اتارنے میں کچھ حرج ہو، واللہ اعلم۔

فرض غسل میں رخصت: غسل کے حوالے سے بھی شریعت نے رخصت دے رکھی ہے۔ اگر کسی کو غسل واجب کی حاجت ہو جائے، موسم سخت سرد اور پانی اس قدر ٹھنڈا ہو کہ اس کے استعمال سے بیماری یا مرض بڑھنے یا موت واقع ہونے کا اندیشہ ہو اور گرم پانی کے حصول کی بھی کوئی صورت نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے یہ رخصت رکھی گئی ہے کہ وہ غسل کے بجائے تیمّم کر لے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے مجھے یہ ڈر محسوس ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میری موت



واقع ہو جائے گی۔ میں نے تیمّم کر کے ہی فجر کی نماز اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑھ لی تو انھوں نے اس بات کی خبر نبی ﷺ کو دے دی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''اے عمرو! تو نے جنابت ہی کی حالت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ لی؟'' عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے جو اندیشہ تھا اس کے بارے میں نبی ﷺ کو بتایا اور میں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ ''اور تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔'' (النسآء 4: 29) پس رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور کوئی بات نہیں کی۔ (سنن أبي داود: 334) گویا اگر ایسی صورت حال ہو تو پھر شریعت کی طرف سے یہ رخصت ہے کہ تیمّم کر کے پاکیزگی حاصل کر لی جائے۔

انتہائی سرد موسم میں گھر میں نماز: موسم سرما میں نماز کے حوالے سے بھی شریعت نے کچھ رخصتیں دی ہیں۔ فرض نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا دل کرتا ہے کہ میں ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں نہیں آتے۔'' (صحيح البخاري: 644)

البتہ موسم سرما میں جب شدید قسم کی سردی ہو تو نماز گھر میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ جب بہت زیادہ سردی ہوتی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اذان دینے کے بعد لوگوں کو کہتے تھے کہ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے کہ جب سرد رات ہوتی اور بارش ہو رہی ہوتی تو نبی ﷺ مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ یہ اعلان کر دے: «اَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ» ''خبردار! اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لو۔'' (صحيح البخاري: 666)

ارکان نماز کی ادائیگی میں سہولت: نماز میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرنا رسول اللہ ﷺ کی ایک عظیم سنت ہے۔ موسم سرما میں عموماً ہر شخص نے چادر اوڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس صورت میں چادر سے ہاتھ باہر نکال کر رفع الیدین کرنا ضروری نہیں بلکہ اگر ہاتھ اندر رکھتے ہوئے ہی آسانی سے رفع الیدین ہو سکے تو اس کی اجازت ہے۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں سردی کے موسم میں نبی ﷺ کے پاس آیا، میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ چادروں کے اندر ہی سے رفع الیدین کر رہے تھے، یعنی ہاتھ باہر نہیں نکالتے تھے۔'' (سنن أبي داود: 729)

عموماً دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ چادر کے اندر رفع الیدین کرنے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ وہ اچھی طرح رفع الیدین کرنے کے بجائے بس معمولی سا ہاتھ کو اوپر اٹھاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ صرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں، رفع الیدین نہیں۔ بہرحال رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور یہ نماز کا حصہ ہے، اس لیے اس میں کسی سستی یا کاہلی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

نماز میں منہ چھپانا

جب موسم بہت زیادہ سرد ہو تو ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے پورے جسم کو ڈھانپ کر رکھے تاکہ موسم کی شدت سے بچا جا سکے۔ اس بنا پر صرف آنکھوں کے علاوہ منہ کا باقی حصہ بھی چادر میں لپیٹ لیا جاتا ہے۔ عام حالات میں اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ دورانِ نماز منہ چھپانے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، اس لیے دورانِ نماز میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ چادر یا کسی رومال وغیرہ سے منہ ڈھانپا ہوا نہ ہو۔

گیس ہیٹرز کے سامنے نماز.....؟

موسم سرما میں موسم معتدل رکھنے کے لیے مساجد میں بھی گیس ہیٹرز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض مساجد میں تو ہیٹرز دیوار میں اونچی جگہ پر نصب کر دیے جاتے ہیں جبکہ بعض مساجد میں زمین پر ہی پہلی صف میں رکھ دیے جاتے ہیں۔ یوں ایک عام آدمی کے ذہن میں کچھ شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں کہ آگ سامنے رکھ کر عبادت کرنا تو مجوس کا طریقہ ہے، گویا اس طرح ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، اسی لیے بعض لوگ ہیٹر کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے بلکہ وہ کسی دوسری جگہ کا انتخاب کرتے ہیں۔

اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ہیٹر وغیرہ سامنے پڑا ہو تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں بندے کی قطعاً یہ نیت نہیں ہوتی کہ وہ اس آگ کی پوجا کر رہا ہے بلکہ اس کا مقصود صرف حرارت



کا حصول ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری میں اسی موقف کو ذکر کیا ہے۔ دوسرا اس حوالے سے ہمارا یہ مشورہ ہے کہ مسجد انتظامیہ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ گیس ہیٹرز کو دیوار میں ایسی جگہ پر نصب کروائیں کہ اس طرح کے شکوک وشبہات جنم نہ لیں۔ کوئی بھی عبادت جب شکوک وشبہات سے پاک ہو تو پھر ہی اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ ویسے بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ''جو شخص شکوک وشبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلیا اور جو شکوک وشبہات میں پڑ گیا وہ حرام امور میں پڑ جائے گا۔'' (صحیح مسلم: 1599)

ریشہ وبلغم: نزلہ وزکام ایسی بیماری ہے کہ موسم سرما میں عموماً لوگ اس کا شکار رہتے ہیں۔ بعض اوقات یہ بیماری اس قدر شدت اختیار کر جاتی ہے کہ نماز ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت نے اہل ایمان کے لیے آسانی کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔ دورانِ نماز ہی میں آدمی ناک وغیرہ صاف کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر منہ سے بلغم آ رہی ہو تو تھوک سکتا ہے، البتہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ آداب سکھائے ہیں۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے رینٹ کو مسجد میں پڑے ہوئے دیکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور کسی چیز سے خود اپنے ہاتھ سے اس کو صاف کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، اس لیے کوئی بھی شخص قبلہ کی جانب نہ تھوکے۔ اگر کسی کو ناک صاف کرنے یا بلغم کی حاجت ہو تو وہ اپنی چادر یا رومال وغیرہ کے ایک پلو میں ناک صاف کر کے یا تھوک کر اس چادر یا رومال کے پلوؤں کو آپس میں ملا دے، یعنی اس کو مسجد میں نہ پھینکے۔'' (صحیح البخاري: 405)

رہن سہن میں شرعی تدابیر

شریعت نے جہاں عبادات میں موسم سرما سے متعلقہ امور میں رہنمائی فرمائی ہے وہیں معاملات میں بھی عظیم رہنمائیوں سے نوازا ہے۔ جن علاقوں میں گیس کی سہولت موجود ہے وہاں موسم سرما میں کمرے کے درجۂ حرارت کو نارمل رکھنے کے لیے گیس ہیٹر استعمال کیے جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ جب رات کو سوتے ہیں تو ہیٹر چلتا رہنے دیتے ہیں۔ اخبارات میں اکثر یہ خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ فلاں جگہ رات کو ہیٹر چلتا رہنے کی وجہ سے گھر کو آگ لگ گئی۔ بعض اوقات تو یہ بھی ہوتا ہے کہ گھر کے افراد بھی اس آگ کی زد میں آ کر بالکل جھلس جاتے ہیں، البتہ آگ لگنے کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی ہیٹر میں سپلائی دینے والے پائپ سے گیس خارج ہونے کی وجہ سے اور کبھی ہیٹر پر کوئی کپڑا یا ایسی چیز گر جانے کی وجہ سے کہ جس سے آگ پھیلی اور پورے گھر کو لپیٹ میں لے لیا۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی دیگر وجوہات کا بنیادی سبب وہی ہیٹر ہوتا ہے جو رات کو سوتے وقت بند نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح جن علاقوں میں گیس کی سہولت نہیں ہے وہاں کے مکین کمرے کو گرم رکھنے کے لیے کسی برتن میں کوئلے جلا کر رکھ دیتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ ان کوئلوں کی کوئی چنگاری کسی کپڑے پر جا گرتی ہے یا پھر کوئی کپڑا وغیرہ کوئلے کے اس برتن میں جا گرتا ہے اور تھوڑی سی ہوا ملنے سے اس سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگ پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ مچھروں کو بھگانے کے لیے رات کو ''جلیبی'' جلا کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دی گئی، ہوا یوں کہ ہوا سے وہ جلیبی بستر پر یا کسی اور کپڑے پر گری اور آگ کے شعلوں میں بدل گئی۔

بہر حال کوئی بھی چیز جو آگ سے جلتی ہے اس حوالے سے احتیاط ضروری ہے۔ آئے دن گھروں کو آگ لگنے کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے ہماری بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔ گھر کو آگ لگنے کا ایک ایسا ہی واقعہ مدینہ طیبہ میں بھی پیش آیا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں رات کے وقت ایک گھر کو آگ لگ گئی جبکہ گھر والے بھی گھر میں سو رہے تھے۔ جب ان کے اس معاملے کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَّكُمْ فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ» ''یہ آگ تمھاری دشمن ہے۔ جب تم سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔'' (صحیح البخاري: 6294)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم رات کو سونے لگو تو آگ کو اپنے گھروں میں (جلتا ہوا) نہ چھوڑا کرو، یعنی اس کو



بجھا دیا کرو۔'' (صحيح البخاري: 6293، و مستخرج أبي عوانة: 6592) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات کو اپنے چراغ وغیرہ بجھا کر سویا کرو، اس لیے کہ کبھی کوئی چوہیا اس کو کھینچ کر لے جاتی ہے اور پورے گھر کو آگ لگا دیتی ہے۔'' (صحيح البخاري: 6295)

بچوں کو چادر میں لپیٹنا

موسم سرما میں ایک اور چیز بہت زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ عموماً کم عمر بچوں کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لیے ان پر ایک چادر لپیٹ دی جاتی ہے۔ چادر کے دونوں پلوؤں کو پشت کی جانب گردن کے پاس باندھ دیا جاتا ہے۔ اس حالت میں بچے کے ہاتھ چادر میں قابو ہو جاتے اور صحیح طرح سے اپنے ہاتھوں کو استعمال میں نہیں لا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کیفیت سے منع فرمایا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ» (صحيح البخاري: 367) شارحین نے حدیث میں مذکور: ''بند بکل'' کی ایک کیفیت یہی بیان کی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے۔ مذکورہ روایت کی روشنی میں بچوں کو اس طرح لپیٹنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

آدھا دھوپ میں آدھا سائے میں

موسم سرما میں دھوپ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جب موسم سخت سرد ہو تو لوگ بیٹھنے کے لیے اس جگہ کا انتخاب کرتے ہیں جہاں دھوپ ہو۔ نبی ﷺ نے دیگر معاملات کی طرح دھوپ کے استعمال میں بھی ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی آدھا دھوپ میں بیٹھے اور آدھا سائے میں۔ (سنن أبي داود: 4821) یعنی آدمی کا پورا جسم یا تو دھوپ میں ہو یا سائے میں۔ یہ نہ ہو کہ آدھے جسم پر دھوپ ہو اور آدھے جسم پر سایہ ہو۔

گیس کمپریسر کا استعمال

لوڈ شیڈنگ پاکستان کا ایک بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ پہلے تو صرف بجلی کی لوڈ شیڈنگ ہوتی تھی مگر اب کچھ برسوں سے موسمِ سرما میں گیس کی لوڈ شیڈنگ ہونا بھی شروع ہو چکی ہے۔ لوڈ شیڈنگ کی اس اذیت سے بچنے کے لیے اکثر لوگ گیس کمپریسر کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کمپریسر پائپ لائن میں سے گیس کھینچ کر آگے چولہے کو سپلائی کرتا ہے۔ پہلے جو گیس کم آ رہی ہوتی ہے اب وہ تیزی سے آنا شروع ہو جاتی ہے اور چولہا تیز چلنے لگتا ہے۔ بعض دفعہ یہ کمپریسر نقصان کا سبب بن جاتا ہے، وہ اس طرح کہ اس میں اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ چولہا بند کرنے سے پہلے کمپریسر بند کیا جائے۔ اگر چولہا بند کر دیا جائے اور کمپریسر چلتا رہے تو وہ پھٹ جاتا ہے جو کسی نہ کسی نقصان کا سبب بنتا ہے۔ بہرحال یہ تو ایک اضافی بات تھی۔ اصل بات جو بیان کرنے کا ہمارا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ پائپ لائن میں گیس بہت کم آ رہی ہوتی ہے جس وجہ سے کسی بھی محلے کے تمام گھروں میں گیس بہت کم آ رہی ہوتی ہے۔ جب محلے میں سے کوئی گھر گیس کمپریسر لگوا لیتا ہے تو پائپ لائن میں جو تھوڑی بہت گیس آ رہی ہوتی ہے وہ بھی یہ کمپریسر کھینچ لیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بقیہ گھروں میں گیس جانا یا تو بالکل بند ہو جاتی ہے یا پھر پہلے سے بھی کم ہو جاتی ہے، یعنی جو گیس سب کو ملنی تھی اب یہ شخص اکیلا ہی استعمال کر رہا ہے۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے اس عمل سے دوسروں کی حق تلفی تو نہیں ہو رہی؟ کہیں ایسا تو نہیں جو گیس دوسروں کے حصے کی تھی اسے بذریعہ کمپریسر اپنی طرف کھینچ کر ہم ان کے لیے اذیت کا باعث تو نہیں بن رہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

موسم سرما کے حوالے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک عجیب بات احادیث میں ملتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی اور موضوع کی مناسبت سے ہم اس کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ موسم سرما میں موسم گرما کے کپڑے اور موسم گرما میں موسم سرما کے کپڑے استعمال کرتے رہتے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں کہ سخت سردی کے موسم میں بھی گرمی کے کپڑے پہنتے ہیں تو انھوں نے جواباً کہا: رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے یہ دعا فرمائی تھی: «أَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ» ''اے اللہ! تو اس (علی رضی اللہ عنہ) سے گرمی اور سردی کو دور کر دے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «فَمَا وَجَدْتُّ حَرًّا وَّلَا بَرْدًا بَعْدَ يَوْمَئِذٍ» ''اس دن کے بعد میں نے کبھی (سخت) گرمی یا (سخت) سردی محسوس نہیں کی۔'' (سنن ابن ماجه: 117، حسنه الألباني)

ابوعبداللہ محمد عبدالجبار



ناخن سے متعلقہ احکام

اسلام میں بے شمار خوبیاں ایسی ہیں جو اسے دنیا کے تمام ادیان سے ممتاز کرتی ہیں۔ دینِ اسلام کی خوبیوں اور اس کے کمالات کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اس نے اپنے ماننے والوں کی کس طرح رہنمائی کی ہے، انھیں کس خوبصورت انداز سے زندگی گزارنے کے آداب بتائے ہیں، کس سلیقے اور قرینے سے انھیں ہدایات دی ہیں!

بڑے بڑے معاملات تو رہے اپنی جگہ، اسلام نے بالکل چھوٹے چھوٹے معاملات کو بھی نظرانداز نہیں کیا، مثلاً: صرف اس ایک معاملے کو دیکھ لیجیے کہ ناخن، جن کی پورے انسانی وجود اور جسم میں معمولی سی حیثیت ہے اسلام نے ناخنوں کے متعلق کس طرح اور کس قدر واضح احکام دیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ.....وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ» ''پانچ چیزیں فطری ہیں.....اور ناخن تراشنا۔'' (صحيح مسلم: 2571، وسنن النسائي: 10)

فطرت کہتے ہیں اس پیدائشی حالت و صفت اور کیفیت کو جس پر ہر موجود کا وجود ابتدا سے قائم ہوتا ہے۔ (دیکھیے القاموس الوحید، مادہ: فطر، ص: 1242) ناخن تراشنا بھی امور فطرت میں سے ہے۔ احادیث میں مذکور ان پانچ امور کو فطرت قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ۔ وہ فطرت جس میں کوئی عیب داخل نہ ہو۔ ان چیزوں کا تقاضا کرتی ہے۔ دین اسلام کو بھی اسی لیے فطرت کہا گیا ہے کہ وہ انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ان امور کو فطرت قرار دینے کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے ہر نبی اور رسول کو ان امور کا حکم دیا، گویا یہ ایسے فطری اور جبلی احکام ہیں کہ ان پر انسانوں کی پیدائش ہے۔

ناخن تراشنے کو فطری امور میں اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ناخن نجاست اور میل کچیل کو جمع رکھنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، جو طہارت سے مانع ہے، نیز دیکھنے میں بھی برے لگتے ہیں اور حیوانات کے ساتھ تشبیہ ہوتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔'' (التین 4:95) زیادہ بڑے ناخن کسی کو یا اپنے آپ کو زخمی کر سکتے ہیں، اس لیے فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ زائد ناخن تراش دیے جائیں۔

انسانیت کے ابتدائی دور میں جب آلات ایجاد نہ ہوئے تھے، ناخن ذبح وغیرہ کے کام آتے تھے۔ اب آلات کی موجودگی میں اس استعمال کی نہ صرف ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ یہ قبیح اور ممنوع بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناخن اور دانت سے ذبح کرنے کو شریعتِ اسلامیہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ..... أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الحَبَشَةِ» ''جو چیز خون بہادے اور اس (ذبح کیے جانے والے جانور) پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو تو اسے تم کھا لو بشرطیکہ دانت یا ناخن سے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ میں تمھیں بتاتا ہوں یہ اس لیے کہ دانت تو ہڈی ہے اور رہے ناخن تو وہ حبشی لوگوں کی چھریاں ہیں۔'' (صحيح البخاري: 2488 وصحيح مسلم: 1978)



گویا کہ انسانوں پر ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے کہ جب یہ اتنے بڑے بڑے ناخن رکھا کرتے تھے جن سے چھری والا کام لیا جاتا تھا، یعنی ان کے ساتھ جانور وغیرہ ذبح کیے جاتے تھے۔ اب دین اسلام نے اس سے روک دیا ہے، لہٰذا اب ناخنوں کے ساتھ جانور یا پرندہ وغیرہ ذبح کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ناخن کتنے دن تک رکھے جاسکتے ہیں اور کب انھیں کاٹنا ضروری ہے؟ تو اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کا حکم واضح اور دوٹوک الفاظ میں کتب احادیث میں موجود ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: «وَقَّتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ.....أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَّقَالَ مَرَّةً أُخْرٰى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً» ''رسول اللہ ﷺ نے مونچھیں کاٹنے اور ناخن تراشنے..... کے لیے یہ مدت مقرر کی ہے کہ ہم چالیس دن سے زائد نہ گزرنے دیں اور ایک دفعہ راوی نے چالیس راتیں کہا۔''(سنن النسائي: 14) مطلب یہ کہ نبی ﷺ نے ناخن رکھنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن بیان فرمائی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چالیس دن سے زیادہ مدت تک ناخن نہ کاٹنے والے مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور ایسے لوگ شریعت کے مجرم اور نافرمان ہیں۔

دن اور رات ایک دوسرے کو لازم ہیں، اس لیے دن کہا جائے یا رات، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ چالیس دن آخری حد ہے، ورنہ اس سے پہلے جب بھی ضرورت محسوس ہو، یعنی طبیعت کو گھن آئے یا گندگی اور میل کچیل جمع ہونے لگے تو صفائی کی جاسکتی ہے، خواہ بال ہوں یا ناخن، دونوں کاٹے اور تراشے جاسکتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ ناخن زیادہ لمبے رکھنا، انھیں بڑھاتے چلے جانا اور کاٹنے کا نام نہ لینا جیسا کہ دین سے دور طبقے کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا وتیرہ بن چکا ہے، یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ کتنے دکھ اور افسوس سے یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ آج کی نام نہاد مسلمان لڑکی بالخصوص جب وہ دلہن بننے جارہی ہوتی ہے اس نے بڑے بڑے بناوٹی اور مصنوعی ناخن اپنی انگلیوں پہ لگا رکھے ہوتے ہیں۔ یہ کئی لحاظ سے ناجائز ہے۔ ایک اس لیے کہ اس طرح جانوروں بلکہ درندوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ دوسرے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق میں تبدیلی ہے جس پر اس نے پیدا فرمایا ہے اور تیسرے اس لیے بھی کہ اس طرح شب زفاف ہی میں دلہن یا دلہا میاں کے زخمی ہونے کا خطرہ ہے۔ اس میں اور بھی کئی قسم کی قباحتیں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اہل عقل ودانش پر مخفی نہیں ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ نے جس طرح ہمیں ناخن کاٹنے کے متعلق ہدایات واحکام ارشاد فرمائے ہیں اسی طرح بسا اوقات ناخن نہ کاٹنے کی تلقین بھی کی ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَعِنْدَهُ أُضْحِيَّةٌ يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَّلَا يَقْلِمَنَّ أَظْفَارًا» ''جب عشرۂ ذوالحجہ شروع ہو اور جس کے پاس قربانی کا جانور ہو اور وہ قربانی کرنا چاہتا ہو تو وہ ہرگز اپنے بال اور اپنے ناخن نہ کاٹے۔''(صحيح مسلم: 1977)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عشرۂ ذوالحجہ شروع ہونے سے لے کر قربانی کر لینے تک اپنے ناخن نہ کاٹے۔ اسی طرح مُحرِم شخص، یعنی حج یا عمرے کا احرام باندھنے والا شخص حالت احرام میں ناخن نہیں کاٹ سکتا۔ اگر کسی نے حالت احرام میں اپنے ناخن کاٹ لیے تو اس پر ''دم'' پڑ جائے گا۔

عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت شیخ ابن باز رحمہ اللہ اپنے ایک فتوے میں رقم طراز ہیں: محرم کے لیے ان نو اشیاء سے اجتناب کرنا واجب ہے جو علماء نے بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں: بالوں کا کاٹنا، ناخنوں کا کاٹنا.....، (فتاویٰ اسلامیہ 2/304، مطبوعہ دارالسلام)

ناخنوں کی بابت یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر نیل پالش لگی ہو اور وضو کیا جائے تو اس صورت میں وضو درست ہے نہ نماز ہی، اس لیے کہ نیل پالش کی تہہ ناخنوں پر جم جاتی ہے جس کی وجہ سے پانی ناخنوں تک نہیں پہنچ پاتا اس وجہ سے وضو درست نہیں ہوسکتا۔ جب تک وضو صحیح نہ ہو تو نماز بھی صحیح نہیں ہوتی، اس لیے ضروری ہے کہ خواتین، خصوصاً ان ایام میں جب انھوں نے نماز پڑھنی ہوتی ہے نیل پالش اور اس قسم کے دوسرے لوشن، جن کی تہہ جسم یا ناخنوں پر جم جاتی ہو، استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔ ہاں اگر انھوں نے نماز نہ پڑھنی ہو تو ان دنوں ایسی چیزوں کا استعمال جائز ہوگا۔

ایمانِ صحابہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم



بعض عناصر نے پروپیگنڈے کے ذریعے سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے ثلاثہ سے مراسم اچھے نہ تھے۔ ذیل میں ان کی انتہائی معتبر کتاب نہج البلاغہ سے، جسے ان کے نزدیک ہدایت و ایمان کا سرچشمہ فیضان کی حیثیت حاصل ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چند ایسے فرامین نذرِ تحریر کیے جاتے ہیں جو کہ زیر بحث معاملے میں غلط اور صحیح کے مابین خط امتیاز کھینچتے ہوئے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیں گے۔

①«اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ، وَدَاعِمَ الْمَسْمُوكَاتِ، وَجَابِلَ الْقُلُوبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيدِهَا: اِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ: الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ، وَالْفَاتِحِ لِمَا انْغَلَقَ، وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّافِعِ جَيْشَاتِ الْأَبَاطِيلِ، وَالدَّامِغِ صَوْلَاتِ الْأَضَالِيلِ، كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ قَائِمًا بِأَمْرِكَ، مُسْتَوْفِزًا فِي مَرْضَاتِكَ، غَيْرَ نَاكِلٍ عَنْ قُدُمٍ، وَلَا وَاهٍ فِي عَزْمٍ وَّاعِيًا لِّوَحْيِكَ حَافِظًا لِّعَهْدِكَ، مَاضِيًا عَلٰى نَفَاذِ أَمْرِكَ حَتّٰى أَوْرٰى قَبَسَ الْقَابِسِ، وَأَضَاءَ الطَّرِيقَ لِلْخَابِطِ وَهُدِيَتْ بِهِ الْقُلُوبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ، وَأَقَامَ مُوضِحَاتِ الْأَعْلَامِ، وَنَيِّرَاتِ الْأَحْكَامِ»

''اے اللہ! فرش زمین بچھانے والے اور بلند آسمانوں کو بغیر سہارے کے روکنے والے، دلوں کو اچھی اور بری فطرت پر پیدا کرنے والے! اپنی پاکیزہ رحمتیں اور بڑھنے والی برکتیں اپنے عبد اور رسول محمد ﷺ کے لیے قرار دے جو پہلی نبوتوں کو ختم کرنے والے اور بند دلوں کو کھولنے والے اور حق کے زور سے اعلان حق کرنے والے تھے، باطل کی طغیانیوں کو دبانے والے اور ضلالت کے حملوں کو کچلنے والے تھے۔ جیسا ان پر ذمہ داری کا بوجھ عائد کیا گیا تھا اس کو انھوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لیے جم کر کھڑے ہو گئے، نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔ وہ تیری وحی کے حافظ اور تیرے پیمان کے محافظ تھے اور تیرے حکموں کو پھیلانے کی دھن میں لگے رہنے والے تھے یہاں تک کہ انھوں نے روشنی ڈھونڈنے والوں کے لیے شعلے بھڑکا دیے اور اندھیرے میں بھٹکنے والوں کے لیے راستہ روشن کر دیا۔ فتنوں اور فسادوں میں سرگرمیوں کے بعد دلوں نے ان کی وجہ سے ہدایت پائی اور انھوں نے بیّن احکام کو اور رستوں کے اشارات کو واضح کرنے کا اہتمام کیا۔''(نهج البلاغة:7/ 216- 217، ترجمہ: مفتی جعفر حسین)

قارئین! اس خطبے کے الفاظ «حَتّٰى أَوْرٰى قَبَسَ الْقَابِسِ وَأَضَاءَ الطَّرِيقَ لِلْخَابِطِ وَهُدِيَتْ بِهِ الْقُلُوبُ» حتی کہ انھوں (نبی ﷺ) نے روشنی ڈھونڈنے والوں کے لیے شعلے بھڑکا دیے اور اندھیرے میں بھٹکنے والوں کے لیے راستہ روشن کر دیا اور فتنوں فسادوں میں سرگرمیوں کے بعد دلوں نے آپ کی وجہ سے ہدایت پائی، یعنی قبل از اسلام اور ماقبل ادعائے نبوت جو راستے سے بھٹکے ہوئے تھے وہ آپ کی دعوت کے نتیجے میں راہ راست پر گامزن ہو گئے اور گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کے علم بردار ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبان مدحت بیاں سے مشکبو و معطر پھولوں کی مانند جھڑنے والے یہ الفاظ اس کے بارے میں تو ہمیں پوری طرح



تسلی کرائے گئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی شبانہ روز کاوش اور جہد مسلسل کے نتیجے میں منزل ہدایت کو پا گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت تو پا گئے لیکن ان کے ایمان اور ہدایت کی پختگی کا عالم کیا تھا؟ کیا وہ ایمان و اسلام اور ہدایت کے معاملے میں نہایت مضبوطی اور پختگی کی صفت سے متصف تھے یا پھران کے ایمان میں لچک یا جھول کا کوئی عندیہ موجود تھا؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں:

② «لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَمَا أَرَى أَحَدً مِّنْكُمْ يُشْبِهُهُمْ لَقَدْ كَانُوا يُصْبِحُونَ شُعْثًا غُبْرًا، وَقَدْ بَاتُوا سُجَّدًا وَّقِيَامًا، يُرَاوِحُونَ بَيْنَ جِبَاهِهِمْ وَخُدُودِهِمْ، وَيَقِفُونَ عَلٰى مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِكْرِ مَعَادِهِمْ، كَأَنَّ بَيْنَ أَعْيُنِهِمْ رُكَبَ الْمِعْزٰى مِنْ طُولِ سُجُودِهِمْ، إِذَا ذُكِرَاللّٰهُ هُمِلَتْ أَعْيُنُهُمْ حَتّٰى تُبِلَّ جُيُوبَهُمْ، وَمَادُوا كَمَا يَمِيدُ الشَّجَرُ يَوْمَ الرِّيحِ الْعَاصِفِ خَوْفًا مِّنَ الْعِقَابِ، وَرَجَاءً لِّلثَّوَابِ»

”بے شک میں نے اصحاب محمد ﷺ کو دیکھا ہے، مجھے تم میں سے کوئی ایک بھی ویسا نظر نہیں آتا جو کہ ان کی مثل ہو۔ وہ اس عالم میں صبح کرتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے خاک سے اٹے ہوئے تھے جبکہ رات وہ سجود و قیام میں کاٹ چکے ہوتے تھے، اس عالم میں کبھی پیشانیاں سجدے میں رکھتے تھے اور کبھی رخسار۔ وہ حشر کی یاد میں اس قدر بے چین رہتے تھے کہ ان کی آنکھوں کے درمیان بکریوں کے گھٹنوں کی گھسیٹن کی طرح (گٹے) پڑے ہوئے تھے۔ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا ذکر آ جاتا تھا تو ان کی آنکھیں برس پڑتی تھیں حتی کہ ان کے گریبانوں کو بھگو دیتی تھیں۔ وہ سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں اس طرح کانپتے رہتے تھے جس طرح تیز جھکڑ والے دن درخت تھرتھراتے ہیں۔ (نهج البلاغه، خطبه نمبر:95، صفحه: 288,287، ترجمه: مفتی جعفر حسین)

یہاں ایک تو یہ واضح رہے کہ اس خطبے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تابندگی اور درخشندگی پر جس قدر ایمان افروز تبصرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا وہ کسی اصحاب دشمن آدمی کو کیسے گوارا ہوسکتا تھا؟ چنانچہ مفتی جعفر حسین نے دلی تمنا پر علمی و قلمی خیانت کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے خطبے کے ابتدائی الفاظ: «لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَمَا أَرَى أَحَدً مِّنْكُمْ يُشْبِهُهُمْ» کا ترجمہ یوں کیا: میں نے خاص خاص اصحاب محمد ﷺ کو دیکھا ہے، حالانکہ لفظ اصحاب اضافت کے لحاظ سے تمام اصحاب محمد ﷺ کے لیے عام ہے مگر چونکہ معنی کا عموم مفتی صاحب کے مزعومہ نظریے کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے، اس لیے عموم کو خصوص میں بدل کر موصوف نے غبار خاطر کو ہلکا کر لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کلام جس کے متعلق کلام الامام امام الکلام ہونے کا لفظی اعتقاد مفتی صاحب کو بہر حال ہے کہ اصل مدعا کو پس منظر میں دھکیل کر ذاتی نظریے کی بیل کو منڈھے چڑھانے کی خواہش اور گستاخانہ جسارت کس قدر گھٹیا اور تنگ ظرفی کی حدود کو چھو کر گزر جانے والی حرکت ہے اور اب سوال یہ کہ اس خطبے میں اصحاب رسول ﷺ کی شب بیداری عبادت گزاری اور مومنانہ تابعداری کی بابت جو احوال بیان ہوا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی اسے معلوم اور پوری طرح جان لینے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پختہ ایمانی اور کمال تابعداری کے بارے میں چوں و چرا، تذبذب یا اگر چہ مگر چہ کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں اور جو ایسا سوچے اس کا ایمان و آخرت برباد۔ جی ہاں! یقیناً برباد۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ خطبات اس وقت ارشاد فرمائے جب وہ منصب خلافت پر متمکن ہوئے تب تک صحابہ میں سے اکثر ملاءِ اعلیٰ کے مکین ہو چکے تھے، لہٰذا ان کی یاد کی چوٹ جب قلبِ علی رضی اللہ عنہ پر پڑتی تو دلِ بے تاب کی بے قراریاں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے انگڑائی لے کر ان کی زباں کو یوں بوسے دینے لگتیں:

③ «أَيْنَ الْقَوْمُ الَّذِينَ دُعُوا إِلَى الْإِسْلَامِ فَقَبِلُوهُ؟ وَقَرَأُوا الْقُرْآنَ فَأَحْكَمُوهُ، وَهُيِّجُوا إِلَى الْقِتَالِ فَوَلِهُوا وَلَهَ اللِّقَاحِ إِلٰى أَوْلَادِهَا وَسَلَبُوا السُّيُوفَ أَغْمَادَهَا وَأَخَذُوا بِأَطْرَافِ الْأَرْضِ زَحْفًا زَحْفًا وَّصَفًّا صَفًّا، بَعْضٌ هَلَكَ وَبَعْضٌ نَّجَا! لَايُبَشَّرُونَ بِالْأَحْيَاءِ وَلَا يُعَزَّوْنَ عَنِ الْمَوْتٰى مُرْهُ الْعُيُونِ مِنَ الْبُكَاءِ خُمْصُ الْبُطُونِ مِنَ الصِّيَامِ ذُبُلُ الشِّفَاهِ مِنَ الدُّعَاءِ صُفْرُ الْأَلْوَانِ مِنَ السَّهَرِ، عَلٰى وُجُوهِهِمْ غَبَرَةُ الْخَاشِعِينَ، أُولٰئِكَ إِخْوَانِي الذَّاهِبُونَ، فَحَقَّ لَنَا أَنْ نَظْمَأَ إِلَيْهِمْ وَنَعَضَّ الْأَيْدِيَ عَلٰى فِرَاقِهِمْ»



''وہ لوگ کہاں ہیں کہ جنھیں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تو انھوں نے اسے قبول کیا اور قرآن کو پڑھا تو اس پر عمل بھی کیا۔ جہاد کے لیے انھیں ابھارا گیا تو اس طرح شوق سے بڑھے جیسے دودھ دینے والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف۔ انھوں نے تلواروں کو نیاموں سے نکال لیا اور دستہ بدستہ اور صف بہ صف بڑھتے ہوئے زمین کے اطراف پر قابو پا لیا۔ ان میں سے کچھ گزر گئے اور کچھ باقی ہیں، نہ زندہ رہنے والوں کے مژدے سے وہ خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی مرنے والوں کی تعزیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ رونے سے ان کی آنکھیں سفید، روزوں سے ان کے پیٹ لاغر، دعاؤں سے ان کے ہونٹ خشک اور جاگنے سے ان کے رنگ زرد ہو گئے تھے۔ فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کی طرح ان کے چہرے خاک آلودہ رہتے تھے۔ یہ میرے وہ بھائی تھے جو دنیا سے گزر گئے۔ اب ہم حق بجانب ہیں اگر ان کی دید کے پیاسے ہوں اور ان کے فراق میں اپنے ہاتھ کاٹیں۔(نهج البلاغه، اقتباس خطبه: 119، صفحه:335-336، ترجمه: مفتی جعفر حسین)

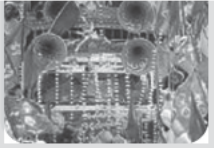
اس خطبے میں جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے ایمان صحابہ کے متعلق جو تصویر کشی کی وہ کم سے کم ایمان رکھنے والے آدمی کی روح وضمیر میں بجلی سی دوڑا دیتی ہے اور انسان کا جی اس زمانے سے اڑان بھر کر اس زمانے میں پہنچ جانے پر تلملانے لگتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف ایمان کو تہِ دل سے قبول کیا بلکہ قرآن کو پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا۔ انھیں جہاد کے لیے بلایا گیا تو بایں ہمہ کہ وہ ابھی نئے نئے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے یوں آگے بڑھے جیسے دودھ دینے والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف لپکتی ہیں۔ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید، روزوں کی وجہ سے ان کے پیٹ لاغر، جاگنے کی وجہ سے ان کے رنگ زرد اور فروتنی اور عاجزی کی وجہ سے ان کے چہرے خاک آلودہ رہتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صحابہ کی یاد میں ادا ہونے والے یہ الفاظ تو دل مومن کو تڑپ اٹھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔«أُولٰئِكَ إِخْوَانِي الذَّاهِبُونَ»''میرے یہ بھائی دنیا سے گزر گئے۔'' «فَحَقَّ لَنَا أَنْ نَّظْمَأَ إِلَيْهِمْ»''پس ہم حق بجانب ہیں کہ ہماری آنکھیں ان کی دید کی منتظر ہو کر ترسیں۔'' «وَنَعَضَّ الْأَيْدِيَ عَلٰى فِرَاقِهِمْ» ''اور ہم ان کے فراق میں اپنے ہاتھ کاٹیں۔'' اب بتائیے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تابندگی اور ان کے کردار وعمل کی پائندگی کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوگا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسا عالم ربانی اور صبر واستقلال کا کوہ گراں جن کی یاد میں بے کل ہو کر یوں اظہار محبت بجا لا رہا ہے کہ کبھی ان کے دیدار و زیارت کے لیے اپنی آنکھوں کے ترس جانے کا نعرۂ مستانہ بلند کر رہا ہے اور کبھی ان کے فراق اور سوز جدائی میں اپنے ہاتھ کاٹنے پر آمادہ ہو رہا ہے اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ پیار بھرے سندیسے ان دنوں کی یادگار ہیں جب تمھارے بقول خلافت ہتھیائے جانے کو کئی برس بیت چکے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اگر کوئی ایسا جانکاہ حادثہ پیش آیا ہوتا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی ایسا منفی کردار ادا کیا ہوتا تو وہ ان لوگوں کی یاد میں یوں بے قرار کیوں ہوتے جنھوں نے انھیں ان کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے باہمی اختلاف اور تصادم کے قصے بے سروپا اور من گھڑت ہیں۔

④ ''اور تم کو لازم ہے کہ گزرے ہوئے اہل ایمان کے وقائع و حالات میں غور وفکر کرو کہ صبر آزما ابتلاؤں اور جانکاہ مصیبتوں میں ان کی حالت کیا تھی، کیا وہ ساری کائنات سے زیادہ گرانبار تمام لوگوں سے زیادہ مبتلائے تنگی وضیق کے عالم میں نہ تھے کہ جنھیں دنیا کے فرعونوں نے اپنا غلام بنا رکھا تھا اور انھیں سخت سے سخت اذیتیں پہنچاتے اور تلخیوں کے گھونٹ پلاتے تھے اور ان کی حالت یہ ہو گئی تھی، وہ تباہی و ہلاکتوں کی ذلتوں اور غلبہ وتسلط کی قہر سامانیوں میں گھرے چلے جا رہے تھے، نہ انھیں بچاؤ کی کوئی تدبیر اور نہ روک تھام کا کوئی ذریعہ سوجھتا تھا یہاں تک کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دیکھا کہ یہ میری محبت میں پوری کدّ و کاوش سے صبر کیے جا رہے ہیں تو ان کے لیے مصیبت و ابتلاء کے تنگنائے وسعت کی راہیں نکالیں اور ان کی ذلت کو عزت اور خوف و ہراس کو امن سے بدل دیا، چنانچہ وہ تخت فرماں روائی پر سلطان اور مسند ہدایت پر رہنما ہوئے اور انھیں امیدوں سے بڑھ چڑھ کر اللہ کی طرف سے عزت وسرفرازی حاصل ہوئی۔ غور کرو کہ جب ان کی جمعیتیں یکجا، خیالات یکسو،

دل یکساں اور ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دیتے تھے اور تلواریں ایک دوسرے کی معین و مددگار تھیں اور ان کی بصیرتیں تیز اور ارادے متحد تھے تو اس وقت عالم کیا تھا؟ کیا وہ اطراف زمین میں فرماں روا اور دنیا والوں کی گردنوں پر حکمراں نہ تھے؟ (نہج البلاغہ، صفحہ نمبر: 588، ترجمہ: مفتی جعفر حسین)

اس اقتباس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک طرف یہ بتایا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی محبت میں کس طرح، طرح طرح کی تکالیف اٹھائیں اور جب کافی مدت تک وہ اللہ کی محبت میں دامن صبر تھامے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اخلاص دینی، وارفتگی اور کمال ایثار کے بدلے میں انھیں ان جانکاہ اور صبر آزما حالات کے چنگل سے نکالنے کی خاطر راہیں پیدا کیں، چنانچہ وہ تخت فرماں روائی پر سلطان اور مسند ہدایت پر رہنما ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسند ہدایت کا رہنما تسلیم کیا جانا ان کے راہ ہدایت پر متمکن و گامزن ہونے اور اسی پر جم کر ٹھہرے رہنے کی اتنی بڑی دلیل ہے کہ جس پر نہ تو کسی قسم کے تبصرے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ ہی نظر آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسمان ہدایت کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کی چمک دمک تا ابد قائم رہے گی اور جو ان درخشندہ ستاروں کی طرف منہ کر کے تھوکے گا وہ تھوک اس کے اپنے منہ ہی پر آ گرے گا۔

❁❁❁❁

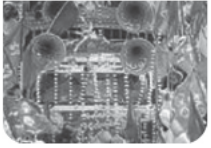


بقیہ: میلاد النبی

اور نو ذوالحج ہو، یہ وقوف آپ منیٰ میں کرلیں قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق زمانے سے بھی ہے اور جگہ سے بھی۔ زمانہ کیا ہے؟ نو ذوالحج۔ دلیل کیا ہے؟ پیغمبر علیہ السلام کا عمل۔ جگہ کیا ہے؟ عرفہ کا میدان۔ دلیل کیا ہے؟ پیغمبر علیہ السلام کا عمل۔ تو آپ اسی طرح کوئی بھی عمل کسی زمانے سے جوڑیں گے، کسی مقام سے جوڑیں گے تو اس جگہ کو اور اس زمانے کو ثابت کرنا پڑے گا۔ خالی عمل کافی نہیں ہے۔ بلکہ ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ جگہ اور یہ زمانہ پیارے پیغمبر سے ثابت ہے۔

یہ چھ حقیقتیں ہیں اتباع کی۔ اس کے بغیر حقیقت اتباع ثابت نہیں ہوسکتی۔ ہم کہتے ہیں کہ ان چھ حقائق میں سے کوئی حقیقت یہاں منطبق کرکے دکھادیں۔ پہلے کوئی شخص یہی بتادے ربیع الاول جو نام اس وقت سے چلا آرہا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کیے تھے اور آج تک چلا آرہا ہے۔ اس مہینے کے نام کو تبدیل کرنے کی کیا دلیل ہے؟ ربیع النور۔ پیارے پیغمبر نے یہی نام برقرار رکھا۔ تو اس نام کو تبدیل کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اور کس دلیل کے تحت؟ پھر جو حرکات اور جو اعمال ان دنوں میں انجام دیے جاتے ہیں ان تمام کو ثابت کرنا پڑے گا۔ ان کا سبب ثابت کرنا پڑے گا۔ پیدائش رسول سبب ہے۔ ولادتِ رسول سبب ہے۔ مگر اس ولادت کے سبب کو سامنے رکھتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام نے اس قسم کے عمل کا اہتمام کیا ہو، یہ ثابت نہیں۔ جنس عمل ثابت کرنی پڑے گی۔ مقدارِ عمل ثابت کرنی پڑے گی۔ زمانۂ عمل ثابت کرنا پڑے گی۔ مکانِ عمل ثابت کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کیفیت عمل ثابت کرنا پڑے گی۔ ان میں سے کوئی چیز بھی یہاں منطبق نہیں ہورہی۔ تو پھر یہ ایک ایسا عمل ہے جو قطعاً بدعت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی سنت، آپ کے منہج اور آپ کے دین سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

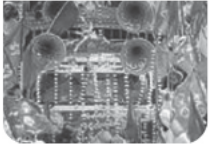
اس موقع پر دو باتیں کی جاتی ہیں: ایک عمل کی حکمت دوسرا عمل کی مشقت۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں بھی پیارے پیغمبر کی سنت کے ساتھ مربوط ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سارا عمل ہم کس لیے کرتے ہیں؟ اپنے پیارے پیغمبر کی محبت میں۔ اپنے پیارے پیغمبر کے پیار کی وجہ سے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ ہمیں آپ کی ولادت باسعادت کی خوشی ہے۔ اس خوشی کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس خوشی میں یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ یہ محبت کا مظہر ہے اور آپ کے پیار کی دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ محبت اور پیار بھی ایک عبادت ہے اور یہ بھی دلیل سے ثابت ہوگی۔ کوئی عبادت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور پھر کسی مسئلے کی علت اور کسی مسئلے کی وجہ اور سبب یہ بھی پیارے پیغمبر کی سنت کے ساتھ مربوط ہے بغیر سنت کے نہیں۔ اس طرح تو کوئی بھی انسان کسی بھی حکمت کی بنا پر کسی بھی عمل کی اختراع کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہر عمل کی اگر کوئی علت ہے تو وہ علت ثابت کرنی پڑے گی۔ ویسے ہمارا یہ عقیدہ ہے اہل الحدیث کا کہ کوئی عمل پیارے پیغمبر سے



ثابت ہوتو آپ سے ثابت ہونا ہی اس عمل کی حکمت ہے۔ جو عمل آپ نے کیا ہے ہمارا آنکھیں بند کرکے یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ وہ عمل انتہائی حکیمانہ ہے کیونکہ پیارے پیغمبر نے کیا ہے۔ پیارے پیغمبر کا کرنا ہی اس عمل کی حکمت ہے۔ حکمت وہ نہیں ہے جو ہم خود بنائیں اور سوچیں اور پھر اس کے تحت کسی عمل کو ایجاد کرلیں اور اس کی اختراع کرلیں۔ بلکہ حکمت یہ ہے کہ ایک عمل اللہ کے پیغمبر نے کیا تو آپ کا کرنا ہی حکمت سے بھرا ہوا، حکمت سے لبریز ہے۔ جو کام آپ نے نہیں کیا اس میں کوئی حکمت نہیں ہے۔ اور جو کام آپ نے کیا وہ سراسر حکمت کی اساس پر ہے۔ ہماری عقل میں وہ آئے یا نہ آئے۔

تو یہ قاعدہ باطل ہے کہ آپ کوئی اچھی حکمت خود ہی اختراع کرلیں اور اپنی اختراع کردہ حکمت پر کسی عمل کو ایجاد کرلیں۔ یہ قطعاً دین اور شریعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی یہی فکر تھی۔ ام المومنین سے ایک سوال ہوا کہ «مَابَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ» ایک حائضہ عورت جو اپنے مخصوص ایام سے گزرتی ہے روزہ نہیں رکھتی، نمازیں نہیں پڑھتی لیکن بعد میں روزوں کی قضا کرتی ہے جبکہ نماز کی قضا نہیں کرتی، اس میں کیا علت اور کیا حکمت ہے؟ روزے کی قضا کیوں ہے؟ اور نماز کی قضا کیوں نہیں ہے؟ کیا فرق ہے؟ کیا علت اور کیا حکمت ہے؟ ام المومنین نے اس سوال پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اس کا جواب یوں دیا: «كُنَّا نُؤْمَرُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ» ''ہم پیارے پیغمبر علیہ السلام کے دور میں روزے کی قضا کا حکم دیے جاتی تھیں اور نماز کی قضا کا حکم ہمیں نہیں دیا جاتا تھا'' (صحیح مسلم: 335) بس پیارے پیغمبر کا حکم حکمت ہے اور جو حکم آپ نے نہیں دیا اس میں کوئی حکمت نہیں ہے۔ تو یہ ہے اصل دین اور فہم اور صحیح فہم۔ تو کوئی بھی حکمت، اس کو اختراع کرکے اس کی اساس پر کسی عمل کو آپ ایجاد کرلیں جیسے حکمت یہ ہے کہ پیغمبر کا عشق، پیغمبر کی محبت اور پیغمبر سے پیار اور آپ کی ولادت کی خوشی اور عمل یہ ہے اس اساس پر کہ جلوسوں کا اہتمام، ریلیوں کا اہتمام اور پھر رات کے قیام کا اہتمام، مختلف پکوانوں کا اہتمام۔ یہ سارے اعمال جس حکمت سے جوڑے گئے ہیں نہ یہ حکمت ثابت اور نہ وہ عمل ثابت ہے اور یہ چیز حقیقتِ اتباع کے خلاف ہے۔ ہم مسلکِ اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔ تو اس طرح تو کوئی بھی شخص حکمت کا اختراع کرکے اس کی اساس پر کوئی بھی عمل جوڑ سکتا ہے۔ اللہ رب العزت رحمتیں نازل فرمائے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر۔ صحابہ کی ایک نشست طلب کرتے ہیں۔ بڑے وقیع القدر صحابہ اس میں موجود تھے۔ اور ایک مسئلہ اٹھایا کہ جب حاجی طواف قدوم کرتا ہے۔ عمرہ کرنے والا طواف قدوم کرتا ہے تو اس طواف میں رمل کرتا ہے۔ اکڑ کے چلتا ہے، بازو پھیلا کر چلتا ہے اور دایاں کندھا کھول کر چلتا ہے اس کی ایک وجہ تھی نبی علیہ السلام کے دور میں۔ جب ہم عمرہ کرنے گئے تھے، عمرۃ القضاء۔ مشرکین مکہ نے کہا تھا: «قَدْ وَهَنَتْهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ» مسلمانوں کو مدینے کے بخار نے مار دیا ہے تو یہ مکمل عمرہ کر ہی نہیں سکیں گے۔ بیت اللہ کا طواف، سات چکر، صفا و مروہ کی سعی جو ڈھائی کلومیٹر تک محدود ہے اس میں چلنا اور دوڑنا یہ پورا کر ہی نہیں سکیں گے۔ چنانچہ عمرہ کرنے آرہے ہیں۔ ہم تماشا دیکھنے بیٹھتے ہیں اور جب یہ تھک ہار کے بیٹھ جائیں گے، گر جائیں گے تو ہمیں استہزاء کا موقع مل جائے گا اور مذاق کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ وہ ایک طرف پہاڑ پر بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام اور پیغمبر علیہ السلام عمرہ کررہے تھے۔ نبی علیہ السلام کو ان کی اس بات کی اطلاع مل چکی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم رمل کریں گے، اکڑ کر چلیں گے، سینہ پھیلا کر چلیں گے، بازو کھول کر چلیں گے اور تھوڑا سا بھاگتے ہوئے چلیں گے اور دائیں کندھے کو کھول کرتا کہ ہمارے بازو کی قوت اور صلابت ان پر ظاہر ہو۔ مشرکین مکہ تو استہزاء کی نیت سے پہاڑ پر بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ صحابہ تو شکرے کی طرح چھلانگیں مار رہے ہیں اور کندھوں میں طاقت نظر آرہی ہے تو وہ مایوس ہوگئے۔ (صحیح مسلم: 1266)

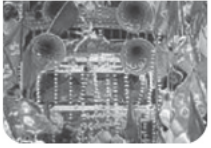
امیر عمر نے فرمایا: اب مکہ فتح ہوچکا، مشرکین مکہ کا صفایا ہوچکا اور مکہ دارالاسلام بن چکا ہے۔ اب یہاں پر کفار نہیں ہیں بلکہ کفار کا داخلہ یہاں منع ہے۔ اب ہم بازو کیوں کھولیں؟ اور شکرے کی طرح چھلانگیں کیوں لگائیں؟ رمل کیوں کریں؟ سوال یہی پیدا ہوتا ہے، حکمت



جو کارفرما تھی وہ ختم ہوچکی۔ اب یہ کام کیوں کریں؟ فرمایا کہ خبردار! جو عمل اللہ کے پیغمبر کے دور میں ہم کرتے تھے وہ قیامت تک کے لیے مہر ہے، کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کرسکتی۔ میں نے اس دفعہ اس لیے بلایا ہے کہ آج کے بعد کوئی امیر، کوئی حاکم، کوئی مفتی، کوئی مجدد، کوئی فقیہ اس حکمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس عمل کر ختم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ پیارے پیغمبر کا امر تھا، پیارے پیغمبر کی سنت تھی اور پیارے پیغمبر کی سنت جب شروع ہوتی ہے تو قیامت تک قائم رہتی ہے۔ کوئی دنیا کا مفتی اور کوئی دنیا کا امام اسے ختم نہیں کرسکتا، حالانکہ اس مسئلے کی حکمت ختم ہوچکی۔ دین حکمت کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر نے جو حکم دیا اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے۔ ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے لیکن اس حکمت کا سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ اور دین تو اتباع کا نام ہے۔ گوشت اونٹ کا بھی ہے اور گوشت گائے کا بھی ہے۔ کیا وجہ ہے گائے کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اونٹ کا کھانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ حکمت پر پڑو گے تو پریشان ہوکر بیٹھ جاؤ گے۔ کیا فرق ہے؟ گوشت یہ بھی ہے اور گوشت وہ بھی ہے۔ دودھ پیتا بچہ اگر پیشاب کردے تو چھینٹے مارنا کافی ہے، کپڑا پاک ہوجائے گا۔ دودھ پیتی بچی اگر پیشاب کردے، اسے دھونا ضروری ہے ورنہ وہ کپڑا پاک نہیں ہوگا۔ کیا فرق ہے؟ یہ بھی پیشاب ہے وہ بھی پیشاب ہے۔ اور یہ بھی دودھ پیتے بچے کا ہے وہ بھی دودھ پیتے بچے کا ہے۔ کیا فرق ہے ان دونوں میں؟ حکمت پے بیٹھو گے تو کبھی آپ کامیاب نہیں ہوسکو گے، پریشان ہی رہو گے۔

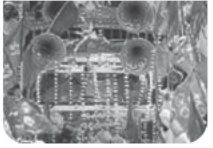
ظہر کی نماز کی چار رکعتیں سری کیوں ہیں؟ عصر سری کیوں ہے؟ مغرب میں دو رکعت جہری کیوں ہیں؟ ایک سری کیوں ہے؟ فجر میں دو رکعت جہری کیوں ہیں؟ عشاء میں دو جہری کیوں ہیں اور دو رکعت سری کیوں ہیں؟ عشاء کی نماز چار رکعت کیوں فرض ہے؟ مغرب کی تین کیوں ہیں؟ فجر کی دو کیوں ہیں؟ اگر آپ حکمت پر غور کریں گے تو حکمت تو بتائی ہی نہیں گئی۔ حکمت ضرور ہے مگر بتائی نہیں گئی۔ یہ دین دینِ اتباع ہے۔ اگر آپ اس چکر میں پڑ جائیں کہ میرے سامنے حکمت واضح ہو تو پھر قبول کروں گا تو آپ اتباع نہیں کررہے بلکہ اپنی عقل اور فہم کے غلام بن گئے ہیں۔ جو سمجھوں گا وہ مانوں گا، جو سمجھ نہیں پاؤں گا اس کو نہیں مانوں گا۔ یہ درایت کا مسئلہ گمراہی کی اساس ہے، گمراہی کی کڑی ہے۔ تو آپ ایک حکمت خود تراش کر اس پر کسی مسئلے کو مربوط کریں، اس کو شریعت قرار دیں۔ یہ قطعاً شریعت نہیں ہے۔ حکمت کیا ہے؟ محبت رسول۔ عمل کیا ہے؟ جلوسوں اور ریلیوں کا اہتمام۔ تو نہ یہ حکمت اور نہ یہ عمل جو ہے اس موقعے پر بن سکتا ہے۔ محبتِ رسول حق ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا بلکہ پیغمبر علیہ السلام کی ایسی محبت فرض ہے جو پوری کائنات کی محبت پر غالب ہو۔ لیکن محبت کی اس حکمت کی اساس پر ایسے عمل کرنا جو اللہ کے پیغمبر سے ثابت ہی نہیں یہ دین نہیں ہے بلکہ صرف وہ عمل کریں گے جو پیارے پیغمبر سے ثابت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی اتباع آپ کی محبت کی علامت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت آپ کی محبت کی علامت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی تعظیم آپ کی محبت کی علامت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام پر کثرت سے درود پڑھنا اور سلام بھیجنا آپ کی محبت کی علامت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے دین کو سچا جاننا آپ کی محبت کی علامت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی ایسی تصدیق کہ جو حدیث ہمارے سامنے آئے گی اسے قبول کریں گے، کسی حدیث کو رد نہیں کریں گے اپنی برادری کے خلاف پاکر، اپنے امام کے فتوے کے خلاف پاکر، اپنے پیرومرشد کے قول کے خلاف پاکر۔ یہ کوئی محبت نہیں ہے۔ محبت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا فرمان آجائے، اس کے خلاف پوری دنیا ہو، دنیا کے محدثین اور فقہاء ہوں، دنیا کے سارے مجددین ہوں، سارے عوام ہوں سب کو ٹھکرا دو اور چھوڑ دو اور پیغمبر علیہ السلام کے فرمان کو سینے سے لگالو۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کی محبت کے تقاضے ہیں۔ تو حکمت اور اس حکمت کے تحت عمل یہ دونوں چیزیں شریعت سے ثابت ہونا ضروری ہیں۔ حکمت اگر شرعی ہے، اس پر عمل کی اساس غیر شرعی ہے تو وہ دین نہیں ہے بلکہ وہ بدعت ہے۔

اسی طرح بعض لوگ اپنے عمل کو مشقت پر محمول کرکے اس میں ثواب کی حرص لیے بیٹھے ہیں۔ کہ شریعت تو کہتی ہے: کسی شخص کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں جبکہ جلوس کا اہتمام، اس میں بعض اوقات کئی میل پیدل چلتے ہیں، پسینے بہتے ہیں،



تھکاوٹ سے چور ہوتے ہیں، مختلف پکوان پکتے ہیں، اس کے لیے محنت ہے، مشقت ہے اور پیسوں کا خرچ کرنا ہے۔ یہ ساری مشقت اس کا کوئی اجر نہیں ہے۔ کسی کھاتے میں نہیں ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مشقت بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو اللہ کے پیغمبر کی سنت سے ثابت ہوگا تو قابلِ قبول ہوگا ورنہ ہر وہ مشقت جو اللہ کے پیغمبر کے منہج اور آپ کے دین سے ہٹ کر ہے اس کا کوئی اجر نہیں ہے۔ تبھی آپ نے اس صحابی سے فرمایا تھا جو حج کرنے نکلا اور پیدل چل دیا کہ سفرِ حج کے دوران پیدل چلوں گا، سواری پر نہیں بیٹھوں گا، دھوپ میں چلوں گا اور بیٹھوں گا سایہ استعمال نہیں کروں گا اور کھاؤں گا نہیں اور پیوں گا نہیں۔ بھوکا اور پیاسا رہوں گا تاکہ مشقت پر اللہ تعالیٰ سے بڑا اجر حاصل کرلوں۔ اجر کثیر کا مستحق بن جاؤں۔ حتی کہ چلتے چلتے بے ہوش ہوکر گر گیا۔ صحابہ اس کو سہارے دے رہے ہیں، اس کو سنبھال رہے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر نے پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ عرض کیا کہ یہ صحابی ان چار ارادوں کے ساتھ نکلا تھا۔ بھوکا اور پیاسا چلتا رہا، پیدل چلتا رہا، دھوپ میں سفر کیا مسلسل، پڑاؤ ڈالتے تو وہاں بھی سائے تلے نہیں بیٹھتا تھا بلکہ دھوپ میں بیٹھتا، تو کب تک برداشت کرتا؟ حتی کہ غش کھا کر گر گیا۔ اس کی حرص یہ تھی کہ ثواب زیادہ ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مشقت میں اس نے اپنے آپ کو ڈال رکھا ہے اللہ کا دین اس سے بری اور لاتعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے۔ اس کو بتادو کہ تمھیں اللہ کی اطاعت کرنی ہوگی۔ اس کو حکم دو کہ یہ کھانا کھائے اور پانی پیے، سواری پر سفر کرے اور سائے تلے بیٹھے۔ جس تکلیف میں اس نے اپنے آپ کو ڈال رکھا ہے اللہ کا دین اس سے بری ہے۔ (صحيح البخاري: 6703,4، وسنن أبي داود: 3300)

عقبہ بن عامر کی بہن بھی اس عزم کے تحت نکلی تھی کہ پورے سفرِ حج کے دوران سواری پر نہیں بیٹھوں گی، ننگے پاؤں چلوں گی اور ننگے سر چلوں گی۔ سواری پر اس لیے نہیں بیٹھوں گی کہ پیدل چلنے کی تکلیف پر اللہ سے اجر کی حرص لیے اور ننگے پاؤں اس لیے کہ راستے میں کانٹے چبھیں گے، ٹھوکریں لگیں گی، پاؤں زخمی ہوں گے، اس پر بھی ثواب ملے گا۔ اور ننگے سر اس لیے کہ سر ڈھانپنا ایک تشریف اور شرف کی علامت ہے اور سر کو کھولنا اس دور میں ذلت کی علامت تھی۔ چونکہ حج کی عبادت اللہ کے لیے ہے تو اللہ کے سامنے اظہار ذلت، تذلل، اس کا اضافی اجر ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ نَذْرِهَا» عقبہ! اپنی بہن کو کہہ دو: ایسا اگر کروگی، پورا سفرِ حج پیدل کروگی، ننگے پاؤں چلوگی، ننگے سر چلو گی تو لوگ لوٹیں گے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت کے وعدے لے کر اور تمھاری بہن لوٹے گی اللہ کا غضب اور اس کی ناراضی لے کر۔ کیونکہ اس مشقت کا اللہ کے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (صحيح مسلم: 1644، وارواء الغليل: 324/8) مشقت کی کوئی اساس نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ مشقت جو اللہ کے پیغمبر کے دین کے تابع ہے، جو اللہ کے پیغمبر کے فرامین کے تابع ہے اس کا اجر ہے۔ بنوسلمہ والوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اپنے گھر ہم مسجد نبوی کے قریب لے آئیں، ہمارے گھر دور ہیں۔ کسی کا گھر ایک میل کے فاصلے پر، کسی کا دو میل کے فاصلے پر۔ اپنے گھر ہم قریب لے آئیں تاکہ مسجد نبوی کا پڑوس ہم کو حاصل ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنوسلمہ! «اٰثَارَكُمْ» اپنے گھر اگر قریب لے آؤ گے تو یہ ایک میل اور دو میل نماز کے لیے پیدل چل کر آتے ہو ان قدموں کا ثواب تمھیں کیسے ملے گا؟ (صحيح البخاري: 655) یہ مشقت ہے۔ ایک میل چلنا، دو میل چلنا کس عمل کے لیے؟ نماز کی ادائیگی کے لیے، مسجد میں حاضری کے لیے۔ یہ مشقت اللہ کے پیغمبر کے دین کے دائرے میں ہے۔ اس کا اجر اور ثواب ہے لیکن ایک شخص ایک مشقت کا پہلو اپنی طرف سے طے کرلے، اس پر عمل کرنا شروع کردے، وہ مشقت کیونکہ نبی علیہ السلام کے عمل سے، آپ کے منہج سے، آپ کے دین سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کا کوئی اجر، کوئی ثواب نہیں ہے۔ تو کسی بھی عمل کے تعلق سے مشقت کی اساس، مشقت کی نیت یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔ دلیل کے بغیر نہیں۔ مشقت کا جو راستہ ہے اس کی بھی تحدید اللہ کے پیغمبر کی سنت کرتی ہے اور اللہ کے پیغمبر کے فرامین کرتے ہیں انسان کی اپنی عقل نہیں۔ انسان اپنی عقل سے کسی عمل کو مشقت پر محمول کرکے، اسے اپنائے اور اس کو اجر کی حرص ہو،



ہرگز نہیں۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ جیسے ان صحابہ نے کہ نبی علیہ السلام نے تو سفرِ فتح مکہ میں عصر کے وقت روزہ افطار کرلیا تھا، کیونکہ صحابہ کا نقاہت کے مارے برا حال تھا۔ مشورہ دیا گیا: کل ہم مکہ میں داخل ہوں گے، ہوسکتا ہے مشرکین سے مقابلہ ہوجائے، روزے نے ان کو کمزور کردیا، رمضان کا مہینہ تھا۔ کیوں نہ افطار کرلیا جائے۔ کچھ کھا پی لیں طاقت بحال ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی۔ عصر کے وقت بھی کہ روزہ ابھی افطار کرلو، کھاؤ اور پیو، تمھیں مکمل روزے کا ثواب دے دوں گا۔ صحابہ اس پر خوش ہوئے۔ افطار کرلیا۔ کھانے لگے، پینے لگے مگر بعض صحابہ نے کہا: ہم تو وقت پر افطار کریں گے تاکہ زیادہ ثواب ملے۔ یہ صحابہ کسی فرقے کی پیداوار نہیں تھے۔ یہ عمل انھوں نے کسی فرقے کی اتباع میں نہیں کیا بلکہ یہ عمل انھوں نے اس بنا پر کیا کہ ہمیں زیادہ اجر ملے۔ نبی علیہ السلام کو اطلاع مل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أُولٰئِكَ الْعُصَاة، أُولٰئِكَ الْعُصَاة، أُولٰئِكَ الْعُصَاة» تین بار فرمایا کہ جو لوگ اب تک روزے سے ہیں وہ سب کے سب نافرمان ہیں، نافرمان ہیں، نافرمان ہیں۔ (صحيح مسلم: 1114) حالانکہ کہ وہ روزے سے ہیں اور اس مشقت پر اجر کے متمنی ہیں۔ لیکن نہیں۔ مشقت کا دائرہ بھی شریعت محدود کرتی ہے اور اس کا تعین بھی اللہ کے پیغمبر کا دین کرتا ہے۔ اب حقیقتِ اتباع اہل الحدیث کی دعوت سے پہچاننے کی کوشش کرو۔ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ ''کہہ دیجیے! اگر اللہ کی محبت کے طلب گار ہو تو میری اتباع کرو'' (آل عمران 31:3) وہ اتباع کیا ہے؟ اتباع خودساختہ مناہج پر قائم نہیں ہے بلکہ اتباع ایک ایسا معاملہ ہے جو پورا کا پورا اللہ کے پیغمبر کے دین اور اللہ کے پیغمبر کی پیروی میں رنگا ہوا ہے۔ اس میں عمل اور جزئیاتِ عمل اور زمانہ عمل اور مکان عمل، کیفیتِ عمل، سببِ عمل، جنس عمل، مشقت عمل، حکمت عمل یہ ساری کی ساری چیزیں اللہ کے پیغمبر کے دین سے ثابت ہونا ضروری ہیں۔ اگر کوئی چیز ثابت نہ ہوسکی تو وہ عمل اللہ کے پیغمبر کی اتباع میں نہیں ہوسکتا۔ کھانا کھلانا یقیناً نیکی ہے۔ اس کو اگر مقرون کرو ایک سبب کے ساتھ۔ کوئی فوت ہوگیا، رسمِ سوئم ہے۔ کھانے پکیں گے، تو کھانا کھلانا نیکی ہے اس کو مقرون کیا ایک سبب کے ساتھ۔ وہ سبب اللہ کے پیغمبر سے ثابت نہیں ہے۔ قرآن پڑھنا ایک نیکی ہے مگر قرآن خوانی کو مقرون کیا جائے تیجے کے ساتھ، دسویں اور چالیسویں کے ساتھ، یہ ایسے اسباب ہیں جو پیارے پیغمبر سے ثابت نہیں ہیں۔ تو خالی عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔ عمل کے سبب کو، عمل کی کیفیت کو، عمل کی جنس کو، عمل کے زمان کو، عمل کے مکان کو، عمل کی مشقت کو، عمل کی حکمت کو، یہ تمام کی تمام چیزیں محدود ہیں شریعت کے دائرے میں اور پیغمبر علیہ السلام کی سنت میں، تب ہی اتباع کا معنی مکمل ہوگا۔ اور یہ دعوتِ اہل حدیث ہے۔ اس طریقے سے اگر پیغمبر علیہ السلام کی اتباع قائم ہوجائے تو اس ملک میں، اس قوم میں اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نچھاور ہوں گی اور امن ملے گا، رزق کی فراوانی ہوگی، نعمتیں حاصل ہوں گی اور اس کے بعد آخرت کی کامیابی، جنت کے وعدے یقینی ہیں کیونکہ اللہ کے پیغمبر کا فرمان ہے: میری پوری امت جنتی ہے، سوائے اس کے جو انکار کردے۔ صحابہ نے پوچھا: انکار بھلا کون کرسکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو میری اطاعت کرے گا، میری اتباع کرے گا حقیقتِ اتباع کے ساتھ، وہ میرے ساتھ جنت میں جائے گا اور جو شخص میری اتباع نہیں کرے گا، کسی وجہ سے اس کی اتباع کا معنی پورا نہ ہوسکا تو وہ شخص جنت میں جانے کا انکار کربیٹھا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' (صحيح البخاري: 7280) تو حقیقتِ اتباع کو پہچانیے! اللہ پاک ہم کو توفیق عطا فرمادے، ہم سچے اللہ کے پیغمبر کے متبع فرماں ہوجائیں اور حقیقتِ اتباع کے ان تمام معانی کے ساتھ، ان تمام حقائق کے ساتھ تاکہ ہمارا ہر عمل پیارے پیغمبر کی اتباع میں لکھا جائے اور شمار کیا جائے اور وہی عمل اللہ کے ہاں قابلِ قبول ہے اور کوئی چیز اگر پیچھے رہ گئی، اتباع کے دائرے سے باہر نکل گئی تو وہ مردود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس عمل کی کوئی وجہ ہماری شریعت کے خلاف ہے، ہمارے عمل کے خلاف ہے تو وہ مردود ہے، اس کا کوئی اجر نہیں اور کوئی ثواب نہیں۔ (صحيح مسلم: 1718) اللہ پاک اس حقیقت کا فہم عطا فرمادے۔ عمل کی توفیق دے دے۔ وَأَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.


Turkey
Syria
IRAQ
PUK concentration
Kirkuk
Arbil
KDP HQ
No man's land
Dayr az Zawr
Ar Raqqah
Al Hasakah
Qamishli
Ash Shaddadi
Ad Darbasiyah
Ras al Ayn
Manbij
Jarabulus
Al Bab
Afrin
Ar Suwar
Busayra
Tall Abyad
Ar Rastan
Ar Rawdah
Ar Rahjan
Ar Rabiah
Sinjar
Zakho
Duhok
Dohuk
Fawgani
Tabina
As Sulaymaniyah
Halabja
Khurmal
Kalar
Chamchamal
Kifri
Tuz Khurmatu
Kirkuk
Dibis
Hawijah
Ar Ramadi
Al Fallujah
Abu Ghurayb
Baghdad
Al Hillah
Karbala
An Najaf
Al Kufah
Al Qadisiyah
Ad Diwaniyah
Al Hindiyah
Al Mahawil
Babil
Al Hillah
Al Musayyib
Al Iskandariyah
Al Mahmudiyah
Al Latifiyah
Ash Shuhada
Al Mahawil
Al Hashimiyah
Al Kifl
Al Hindiyah
Al Qasim



یہودیوں کی مکروہ سازشوں سے جب سے سوڈان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یہ ملک اس وقت سے حالت جنگ میں ہے جس کی بنا پر ہزاروں سوڈانی اس جنگ کی لپیٹ میں آ کر اپنی جانیں گنوا چکے ہیں۔

حالیہ مہینوں میں عراق میں بڑھتی ہوئی سخت فرقہ وارانہ کشیدگی اور شام میں کھلی مداخلت کے باعث پوری دنیا میں عراقی وزیر اعظم نور المالکی کو بین الاقوامی سطح پر سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کے نتیجے میں حالیہ مہینوں کے دوران حکومتی فورسز کے علاوہ 6500 سے زائد افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ ان ہلاکتوں میں دیگر فوجی افسران کے علاوہ ایک میجر جنرل الخوری بھی شامل ہے۔ نور المالکی کے دست راست اور امریکہ کے منظور نظر عراقی وزیر مواصلات ہادی العامری جو کہ ایرانی پاسداران انقلاب کے القدس بریگیڈ کے سربراہ جنرل قاسم کے قریب ترین دوست اور انتہائی قابل اعتماد ساتھی سمجھتے جاتے ہیں، انھوں نے ایرانی اسلحہ اور فوجی ساز و سامان سے لدے ہوئے ایران ایئر اور ماہان ایئر کے مال بردار جہازوں کو بغیر چیکنگ کے عراق کی فضاؤں سے براہ راست دمشق جانے کی اجازت دے رکھی ہے لیکن دنیا کو دکھانے کے لیے بعض ایرانی مسافر طیاروں کو بغداد ایئر پورٹ پر روک کر ان کی تلاشی لی جاتی ہے۔ نور المالکی کے اس دوغلے پن پر پوری دنیا کا میڈیا اور امن کی خواہش رکھنے والے خاصے برہم ہیں اور وہ شام میں بے گناہ لوگوں کے قتل عام میں ان کو برابر کا حصہ دار سمجھتے ہیں۔ صحافتی ذرائع کے مطابق نور المالکی کا دست راست ہادی العامری ایران کے ولایت فقیہہ کے نظام کا پرزور حامی ہونے کے باعث بشار کی حکومت کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ یہ سب کچھ نور المالکی کی خاموش رضامندی سے ہو رہا ہے۔ یہ وہی ہادی العامری ہے جس نے عراق کے سابق صدر صدام حسین کا تختہ الٹنے کے لیے ''البدر بریگیڈ'' کے نام سے ایک عسکری دہشت گرد تنظیم قائم کی جس کا ہیڈ کوارٹر ایران میں تھا۔ ایرانی پاسداران انقلاب کی ان کو بھرپور سپورٹ حاصل تھی۔ ان کے دہشت گرد عراق میں داخل ہوتے اور تخریبی کارروائیاں کرتے جس کے نتیجے میں عراقی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔ اب یہی کردار شام میں ایرانی القدس بریگیڈ نے سنبھال رکھا ہے۔ اس مہم میں ہادی العامری نے شام میں ہونے والی مزاحمت کو شیعہ مسلک اور علوی قبیلے کے خلاف اعلان جنگ قرار دے رکھا ہے۔ حال ہی میں العامری نے حزب اللہ کے 300 کارکنوں کو شام بھجوانے کا بندوبست بھی کیا تھا جس کا انھوں نے خود اعتراف کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل جدہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ شام میں جاری کشیدگی کا اصل ذمہ دار ایران ہے۔ اسی طرح عراق کے سابق وزیر اعظم علاوی نے نور المالکی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ نور المالکی نے عراق کی خود مختاری کو ایران اور اس کی عسکری ملیشیا کے سامنے ڈھیر کر دیا ہے۔

دوسری جانب شام میں بشار علوی حکومت نے اپنی پوری حشر سامانیوں و چیرہ دستیوں کے ساتھ اپنے بے گناہ مظلوم عوام کے خلاف مسلم کش وحشیانہ دہشت گردی جاری رکھی ہوئی ہے جس میں بشار کو اپنی تینوں ریگولر فورسز کے علاوہ، حکومت نواز نیم فوجی دستہ نیشنل ڈیفنس فورس NDF، شامی جرائم پیشہ افراد پر مشتمل شیعہ ملیشیا شبیحہ، عراقی نیم فوجی فورسز اور شیعوں پر مشتمل ابوالفضل عباس بریگیڈ، عراقی شیعہ ملیشیا الذوالفقار اور ایرانی پاسداران انقلاب کی مدد حاصل ہے۔ ایرانی انٹیلی جنس، لبنانی شیعہ حزب اللہ، سفاک ترین لبنانی شیعہ حزب التوحید العربی، پاسداران انقلاب فورس اور ابوالفضل بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر دمشق کے علاقے زینبیہ میں واقع ہے جہاں انھوں نے اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کے لیے ایک ایئر بیس بھی بنایا ہوا ہے۔ حزب التوحید کے دہشت گردوں کی ایک بڑی تعداد آزاد شامی فوج (FSA) اور اسلامی جنگجوؤں کے خلاف لڑتی ہوئی ماری گئی ہے جس کا انھوں نے خود اعتراف کیا ہے۔ ادھر روسی ریٹائرڈ فوجیوں پر مشتمل ''السلافیہ'' (Slavonic) نامی تنظیم جو کہ کرائے کے قاتل کہلاتے ہیں، شامی بے گناہ عوام کے قتل و غارت میں بھی ان کے ہمنوا ہیں۔

گزشتہ اکتوبر میں شامی جنگجوؤں نے حمص میں ایک روسی ملٹری کمانڈر الیکسی مالفتا کے قتل کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اسی طرح یکم دسمبر کو حلب شہر کے جنوبی نواحی علاقے السخنہ میں علوی فورسز کی طرف سے لڑتے ہوئے ایک روسی فوجی الیکسی مالفتا (AlexeyMalivta) اسلامی جنگجوؤں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا۔ یہ تمام فورسز اور گروپس مکمل طور پر شام میں مسلمانانِ اسلام کے قتل و غارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔



29 نومبر کو لبنانی وزیر زراعت وحزب اللہ کے اہم رہنما حسین الحاج حسین کا بھتیجا علی رضا فواد دمشق کے شمال میں قلمون کے علاقے میں اپنے 3 ساتھیوں سمیت حریت پسندوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا ہے جس کو رازداری سے لبنانی علاقہ البقاع کے قصبے حوش النبی میں دفنا دیا گیا۔ اسی طرح 5 نومبر کو ایرانی میڈیا کے مطابق ایرانی پاسداران انقلاب کا ایک کمانڈر جو ایلیٹ القدس فورس کا تربیت یافتہ تھا، دمشق میں اسلامی جنگجوؤں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ مہر نیوز ایجنسی نے اپنی خبر میں اس کا نام محمد جمالی باقلعہ بتایا ہے، اس کی نماز جنازہ ایران کے جنوبی شہر کرمان میں پڑھائی گئی تھی۔ لبنانی ذرائع کے مطابق 8 دسمبر کو جنوبی لبنان کے شہر بنت جبیل کا رہائشی اور حزب اللہ کا اعلیٰ فوجی کمانڈر علی بزی مسلم فورسز کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ ان کی انھی متعصّبانہ حرکتوں کی وجہ سے وسط نومبر میں بیروت میں ایرانی سفارت خانے پر ایک خودکش حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں ایرانی قونصلر سمیت 25 افراد ہلاک اور 140 کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ تب لبنان کے صدر مائیکل سلیمان چلا اٹھے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ''حزب اللہ لبنان کی سلامتی کے لیے خطرہ بنتی جارہی ہے۔ اس کی ملک سے باہر مسلسل جاری سرگرمیوں اور غیر ملکی کنٹرول نے اس کے کردار پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔''

درحقیقت شام میں پڑوسی اور حلیف ممالک سے آنے والی ملیشیا مسلمان عورتوں کو زیادتی کا نشانہ بناتی ہیں اور بڑی مہارت سے ان کے اعضاء کاٹتی ہیں جبکہ کنکریٹ کے بلاکوں کی مدد سے مسلمان مردوں کے سر کچل دیتی ہیں اور یہ آپ یوٹیوب پر آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ایران اور 6 بڑی طاقتوں کے درمیان ہونے والے معاہدے کے بعد بشار اور اس کے حلیفوں کی درندگی میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے اور اسکڈ میزائلوں کا استعمال عام ہو رہا ہے۔ 23 نومبر سے لے کر 10 دسمبر تک دو ہزار سے زائد مظلوم شامیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ دمشق کے نواحی علاقے ''النبک'' کی ''الفتح کالونی'' میں حزب اللہ اور عراقی الذوالفقار نامی تنظیموں کے دہشت گردوں نے قبضہ کر کے وہاں کے گھروں کو آگ لگا دی۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ اس آگ سے زندہ بچ جانے والے 35 سے زائد نہتے خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو گولیاں مار کر ان کو آگ لگا دی۔ جبکہ بیشتر نعشیں حملہ کے دوران ہی جل کر خاکستر ہوگئی تھیں، اسی دوران اس قتل عام اور مسلم خواتین کی آبروریزی کے شرمناک مظاہرے دکھائے گئے۔ جبکہ 15 دسمبر سے لے کر 21 دسمبر تک صرف حلب شہر کے مختلف علاقوں میں علوی فورسز کی جانب سے بھاری توپ خانے اور جنگی جہازوں سے ''بیرل بم'' برسائے گئے۔ اس وحشیانہ بمباری سے کم سے کم 300 بے گناہ شامی مسلمان موت کی آغوش میں چلے گئے، جبکہ سینکڑوں زخمیوں کو محفوظ مقامات کی طرف لے جانے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ چاروں طرف بشار کی حکومتی فورسز نے محاصرہ کیا ہوا ہے۔ شام میں ہلاک ہونے والے بچوں کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اور یہ قتل عام زیادہ تر دو پڑوسی ملکوں کے راستوں اور ملحقہ علاقوں اور دمشق کے شمال ومغرب میں پوری سفاکی سے جاری ہے۔ شام کے لوگ صدیوں سے پرامن طریقے سے اکٹھے رہ رہے تھے، مگر ایک خاص طبقہ فکر کے لوگوں کی متشددانہ کارروائیوں نے اس ملک کو فرقہ وارانہ جنگ کی ہولناکیوں کی طرف دھکیل دیا۔ یہی وجہ کہ شام میں بین الاقوامی امدادی اداروں نے خبردار کیا ہے کہ شامی مسلمان بچوں کی ایک پوری گمشدہ نسل تیار ہو رہی ہے۔ کیا یہ صہیونیوں کے ایجنٹ بتانا پسند کریں گے کہ ان بے گناہ، معصوم و یتیم بچوں کا کیا قصور تھا جو علوی خاندان کی درندگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ جب ان صہیونیوں اور ان کے گماشتوں کو مار پڑنے لگتی ہے تو یہ دُہائیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ دراصل یہی یہودیوں اور ان کے پیروں کاروں کی فطرت ہے کہ پہلے وہ مسلمانوں اور انسانیت کا خوب خون بہاتے ہیں، پھر اس درندگی و دہشت گردی سے راہِ فرار حاصل کرنے کے لیے مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف واویلا مچاتے ہیں۔

ہم شام کے نائب وزیر خارجہ فیصل مقداد کے اس بیان کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے جو انھوں نے فرانسیسی خبر رساں ادارے AFP کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران دیا کہ ''شامی حکومت اپنا مؤقف تبدیل نہیں کرے گی۔ اگر تیسری عالمی جنگ چھڑتی ہے تو چھڑ جائے۔''



دوسری جانب 14 نومبر کو حزب اللہ کے چیف حسن نصر اللہ نے عرب ملکوں کے منہ پر ایک دفعہ پھر طمانچہ مارتے ہوئے اس بات کو دہرایا ہے کہ جو ملک بشار کے اقتدار کا خاتمہ چاہتے ہیں انھیں ناکامی ہوگی۔ امن کا ڈھنڈورا پیٹنے والے آج اپنی ذاتی انا کے لیے پوری دنیا کے امن کو تہ وبالا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جس میں ان کو امن کا پرچار کرنے والے دجالی ادارے UNO کی بھی مکمل حمایت حاصل ہے۔

تیسری جانب امریکہ کی اس خطے میں یوٹرن پالیسی نے سعودیہ کو عدم تحفظ کا احساس دلاتے ہوئے یہ باور کرا دیا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا جائے۔ خطے میں بڑھتے ہوئے عدمِ تحفظ کو ختم کرنے کے لیے چند روز قبل علاقے کی خلیج تعاون کونسل GCC نے ابتدائی طور پر ایک لاکھ افراد پر مشتمل متحدہ سکیورٹی کمان کی تشکیل کی ہے۔ کل تک امریکیوں صہیونیوں کی جانب سے دنیا میں برائی کا محور قرار دی گئی ریاست (ایران) کے ساتھ پرامن ایٹمی سمجھوتے کے ساتھ ہی ایران کو امریکہ ومغربی ممالک کے بینکوں میں منجمد کیے گئے اربوں ڈالرز واپس مل جائیں گے۔ ایران جو براہ راست شام میں دہشت گردانہ کارروائیوں کی بدولت کنگال ہو چکا تھا اور جس کی معیشت کی حالت ایک مردہ جسم کی مانند تھی، اس ڈیل کے بعد اربوں ڈالرز ملنے سے اس مردہ جسم میں ایک دفعہ پھر جان پڑ جائے گی۔ اسی طرح امریکہ اور ایران کے درمیان افغانستان سے امریکی حربی سامان لے جانے کا بھی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ غیر جانبدار مبصرین کے مطابق اب ایران پوری قوت کے ساتھ اس خطے میں اپنا کھیل دوبارہ شروع کرے گا۔ امریکہ نے ایک طرف خلیج کی ریاستوں اور خاص کر سعودیہ کو بلیک میل کرنے اور انھیں تنہا کرنے کی کوشش کی ہے تو دوسری جانب پاکستان سے رسد کے راستے بند ہونے سے پاکستان کی فوجی اسٹیبلشمنٹ کو بھی کھلا چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اس طرح کر سکتے ہو تو ہم بھی اس طرح کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب امریکہ پاکستان میں دہشت گردی کا کھیل کھل کر کھیل رہا ہے اور اس کو کسی بھی قسم کا کوئی خوف لاحق نہیں۔

ایک بات جسے میں پچھلے ایک سال سے سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر امریکہ اور حوثی رافضی قبائل نے یمن کو خانہ جنگی کی طرف کیوں دھکیلا ہوا ہے؟ اس سے یمن کی معیشت اور سلامتی کو گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ یمن تو خود ایک انتہائی پس ماندہ اور غریب الوطن ہے جہاں دو وقت کی روٹی کمانا بھی مشکل ہے۔ لیکن جب یہ حدیث میری نظروں سے گزری تو یہودیوں اور ان کے گماشتوں کی ساری سازشیں میری سمجھ میں آنے لگیں کہ اصل حقیقت کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہمارے شام میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔'' لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے نجد میں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے یمن میں بھی۔'' لوگوں نے پھر کہا: ہمارے نجد میں بھی۔ راوی کا کہنا ہے: میرا خیال ہے کہ تیسری بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں زلزلے آئیں گے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔'' (صحيح البخاري: 1037، مسند أحمد: 118/2، حديث: 5987)

''جب رومی جنگ عظیم (ملاحم) میں اہل شام سے جنگ کریں گے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ دو لشکروں کے ذریعے ان (اہل شام) کی مدد فرمائے گا۔ ایک مرتبہ ستر ہزار اور دوسری مرتبہ اسی ہزار اہل یمن کے ذریعے سے، جو اپنی بند تلواریں لٹکائے ہوئے آئیں گے۔ وہ کہتے ہوں گے کہ ہم پکے سچے اللہ کے بندے ہیں، ہم اللہ کے دشمنوں سے قتال کرتے ہیں۔ تب اللہ سبحانہ وتعالیٰ (اس جہاد کی برکت سے) ان لوگوں سے طاعون، ہر قسم کی تکلیف اور تھکاوٹ کو اٹھا لیں گے۔'' (الفتن نعيم بن حماد، ج: 2 ص: 469) یمن اور شام کی برکت تو آج بھی نظر آ رہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آخری معرکہ میں فلسطین وشام اور یمن کے مجاہدین کو جو حصہ عطا کیا ہوا ہے وہ آپ ﷺ کی دعا ہی کا اثر ہے۔ اس وقت دنیائے کفر و یہود کو ہلانے والے شام اور یمن کے ہی مجاہدین زیادہ ہیں۔ کفر کے لیے خوف کی علامت شیخ اسامہ بن لادن کا تعلق بھی یمن سے ہی تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ''نجد'' کا علاقہ جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔'' جو کہ نجد عراق کوفہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ ہے جہاں نصاریٰ (یورپ اور امریکہ) کی فوج کا عمل دخل سب سے زیادہ ہے اور ابھی تک وہیں مقیم ہیں۔



کیا مندرجہ بالا احادیث، تمام حالات و واقعات اور معاہدے اس خطرے کی نشاندہی تو نہیں کر رہے جس کا انکشاف 2005ء میں CIA کے ایک آفیسر نے کیا تھا کہ ہمارا اگلا ہدف مسلم ممالک اور خاص کر مشرقِ وسطی ہے۔ حقیقتاً اوباما نے شام کے حکمران طبقے پر حملہ نہ کر کے شامی مظلوم و بے گناہ عوام کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ شام، امریکہ اور روس کے درمیان ہونے والے کیمیائی ہتھیاروں کی تلفی کے معاہدے کی آڑ میں ان دونوں طاغوتی طاقتوں نے ایک دفعہ پھر بشار کو اپنے ہی عوام کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں کی کھلی چھوٹ دے دی ہے اور الٹا بشار کو شاباش دی جارہی ہے جبکہ امریکا کی طرف سے FSA کو تاخیر سے اسلحے کی سپلائی کے باعث بھی شام میں ہلاکتوں میں اضافہ ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شامی متحدہ اپوزیشن کے سربراہ احمد الجرجا نے اتحادیوں سے گلہ شکوہ اور بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے اتحادیوں سے جو کچھ مانگتے ہیں وہ ہمیں نہیں دیا جاتا..... محترم قارئین! اسلام دشمنی میں یہ ہے کفر اور ان کے گماشتوں کا اصلی چہرہ!

ایرانی صدر حسن روحانی نے کہا ہے کہ موجودہ شامی بحران کے حل کے لیے اس ملک سے دہشت گرد گروپوں (اسلامی سلفی گروپس) کو بے دخل کرنا ہوگا۔ اسی طرح فرانس کے صدر فرانسوا ہولینڈ نے بھی اسلامی جنگجوؤں کی بڑھتی ہوئی یلغاروں سے خوف زدہ ہو کر کھل کر اپنے بغض باطن کا اظہار کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ شامی مزاحمت کاروں سے وہ تمام علاقے واپس لے لینے چاہئیں جو کہ انتہاء پسندوں (اسلامی جنگجوؤں) کے قبضے میں ہیں اور تمام دہشت گرد اسلامی گروپوں کو شام سے نکال دینا چاہیے۔ اسی طرح پچھلے دنوں روسی حکومت نے شام کے اسلام پسندوں کے خلاف انتہائی غیر سفارتی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ آج بشار کو اسی خطرے کا سامنا ہے جس کا روس کو چیچنیا کی شکل میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روس نے شام میں بشار علوی کی حمایت اور اس خطرے (اسلام) کو روکنے کے لیے 5 ہزار ڈالر فی کس کے عوض بیسیوں روسی فوجیوں کو بھیجا ہے۔ 15 اکتوبر کے ناجائز صہیونی ریاست کے عبرانی زبان کے اخبار ''معاریف'' کے مطابق شدت پسند ''جیوش ہوم'' نامی تنظیم کے سخت گیر لیڈر و سابق وزیر خارجہ آویگڈور لائبرمین اپنی جماعت کے اجلاس کے دوران انکشاف کیا، کہ ہم مقبوضہ وادی جولان بشار حکومت کو واپس کرنے کے لیے تیار تھے، اور دونوں ملکوں کے درمیان امریکا نے ثالثی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لائبرمین نے مزید کہا کہ بشار کے ساتھ مفاہمت ممکن ہے۔ لیکن بشار کے خلاف لڑنے والے اسلامی دہشت گردوں نے سارا کام خراب کر دیا۔

اگر ہم عمیق نظر سے دنیائے اسلام کے نقشے پر غور کریں تو ایک اتفاق بڑا عجیب لگتا ہے کہ دنیائے اسلام میں جہاں بھی شورش، دہشت گردی ہو، فتنہ و انتشار ہو، فرقہ وارانہ لڑائی ہو، معاشی بحران ہو یا پھر سیاسی بحران ہو، ہر ایک کے پیچھے آپ کو یہودیوں کا ہی ہاتھ نظر آئے گا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ دراصل اہل یہود اپنے عقیدے کے مطابق اپنے اس القائم المنتظر (مسیحا) کا انتظار کر رہے ہیں جس کی بدولت وہ تمام دنیا پر حکومت کریں گے اور اس سلسلے میں وہ عسکری فیلڈ میں نصاریٰ، ہندوؤں، بدھوں، علویوں، نصیریوں کے ساتھ ساتھ امریکیوں کی افرادی قوت اور ان کی دولت کو اسلام، مسلمانوں اور مجاہدین کے خلاف استعمال کر رہے ہیں تاکہ فیصلہ کن معرکہ ہرمجدون (Armageddon) کے برپا ہونے سے پہلے وہ ان تمام قوتوں کو کمزور کر سکیں جن سے ان کا سامنا ہونا ہے۔ یہودیوں نے اس سلسلے میں اپنی تیاری و منصوبہ بندی مکمل کر لی ہے۔ اب حالات ایسے پیدا کیے جارہے ہیں، جس سے ایک دھما کا ہوگا، جو معاذاللہ بیت المقدس کے ''گنبد صخرہ'' کے گرنے سے ہوگا۔ کیونکہ ان کے فرسودہ عقائد اور من گھڑت مذہبی داستانوں کے مطابق ہیکل سلیمانی کی تباہ شدہ عمارت ''گنبد صخرہ'' کے نیچے ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ مادیت پرست کہلواتے ہیں لیکن انھوں نے اپنی تبدیل شدہ مذہبی کتابوں کی پیش گوئیوں کے مطابق خود کو تیار کر لیا ہے۔ اور ہمارے صادق و امین نبی حضرت محمد ﷺ نے جو خبر ہمیں دی ہے جس کے پورا ہونے کی ابتدا (شام کی لڑائیوں) سے ہو چکی ہے، ہم بہ حیثیت مسلمان اب بھی اس سے بے خبر ہیں، اور پہلو تہی کر رہے ہیں۔

ہمیں ایک بات ہمیشہ ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دنیا کے حالات خواہ کچھ بھی ہوں ہمارا اول و آخر معرکہ یہودیوں ہی سے ہونا ہے۔

کاروبار میں ترقی اور زوال کے اسباب



اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔'' (آل عمران 140:3) یقیناً ہمارے حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے، موسموں کی طرح بدلتے ہیں۔ زندگی میں کبھی بہار کی سی خوشیاں ہوتی ہے اور کبھی خزاں سی مایوسیاں پھیل جاتی ہیں۔ ان رنگ برنگ تبدیلیوں کا اصل سبب ہمارے اعمال ہیں۔

قانون قدرت ہے کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا ثمر ملتا ہے۔ یقیناً جب ہماری سمت درست ہوتی ہے تو ہمیں خوشیاں نصیب ہوتی ہیں اور جب ہم خطرناک روش اختیار کرنے لگتے ہیں تو ہمیں جھنجھوڑ کر سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

یہ نشیب و فراز انسانی زندگی کے ہر شعبے میں رونما ہوتے ہیں۔

ہماری عام عادت یہ ہے کہ ہم نفع اور نیک نامی کی نسبت تو اپنی طرف کرتے ہیں اور نقصان وغیرہ کی صورت میں کسی نہ کسی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر سارا ملبہ اس پر ڈال دیتے ہیں۔

ترقی اور زوال میں کردار

میرے خیال کے مطابق ہمارا سوچنے کا یہ انداز درست نہیں ہے۔ ہمیں نفع و نقصان دونوں صورتوں میں ان کے اسباب اور اہم کردار کو ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ نفع و نیک نامی میں خوب اضافہ ہو اور نقصان سے بچا جا سکے۔

اسے ہم ایک مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ کسی شخص کا کاروبار نفع بخش ہو، سالانہ نفع کا تناسب بڑھ رہا ہو، کاروبار پھیل رہا ہو اور وہ ایک سے دو اور دو سے چار میں تبدیل ہو رہا ہو تو ہر زیرک شخص جہاں مالک کی تعریف کرتا ہے وہاں وہ اس کی مینجمنٹ اور کارکنوں کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ اور ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کمپنیاں باصلاحیت کارکنوں کو بڑھ چڑھ کر پیشکشیں کرتی ہیں تاکہ وہ ان کی خدمات حاصل کر سکیں۔

اس کے برعکس جب کوئی کمپنی، اسکول، کالج یا شوروم وغیرہ زوال پذیر ہو تو ان کے مالکان سمیت ان کی مینجمنٹ اور ورکر سب کے سب اپنی حیثیت کھو دیتے ہیں۔

یعنی سادہ لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کمپنی کے ''پھلنے پھولنے یا زوال پذیر ہونے'' میں مالک، مینجمنٹ اور ملازمین سب کا کردار ہوتا ہے۔

کاروبار زوال پذیر ہوتا محسوس ہو

اگر کوئی کمپنی ترقی پذیر ہو، پھر اس کے مالک محسوس کرنے لگیں کہ اب کمپنی زوال پذیر ہو رہی ہے تو ایسی نازک صورتحال میں اگر فوراً ''احتساب'' کا عمل شروع کر دیا جائے تو کمپنی کے سنبھلنے کے امکانات سو فیصد ہوتے ہیں۔

عملِ احتساب

یہاں پھر وہی مسئلہ ہے کہ ''عمل احتساب'' میں کسے شامل کیا جائے اور اس کی ابتدا کہاں سے کی جائے؟

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ''عملِ احتساب'' میں پانچ بنیادی افراد و عوامل کو شامل کیا جائے:

① مالک ② مینجمنٹ ③ پروڈکٹ کا معیار ④ ملازمین ⑤ سیل پوائنٹ اور سیل مین۔

① مالک کو چاہیے کہ اس عمل کی ابتدا اپنی ذات سے کرے، اپنی سوچ اور فکر، خیالات و جذبات اور احساسات کا جائزہ لے، اپنے اور اہل خانہ کے اخراجات پر نظرِ ثانی کرے اور غیر ضروری اخراجات میں کمی کر دے۔

ترقی کے لیے آمدن اور اخراجات میں صحیح



توازن ہونا بہت ضروری ہے، یعنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔

② مینجمنٹ: کسی ادارے کے عروج وزوال کے لیے مینجمنٹ ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتی ہے، اس لیے مینجمنٹ کی بہتری کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

یاد رکھیے! ہمیشہ وہ ادارے پروان چڑھتے ہیں جن کے مالکان اور مینجمنٹ کے درمیان اعتماد کی فضا بحال ہوتی ہے۔

③ ''پروڈکٹ کا معیار'': نہایت باریک بینی سے پروڈکٹ کے معیار کا جائزہ لیا جائے۔ اگر کہیں معیار میں کمی آرہی ہے تو اس کے ذمہ داران کا فوراً محاسبہ کیا جائے اور اسے درست کرنے کی کوشش کی جائے۔

④ ملازمین کی آمد و رفت: ان کی سرگرمیوں اور کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔ اگر کہیں غفلت و سستی پائی جارہی ہو تو انھیں تنبیہ کی جائے۔

میرے خیال میں مالکان اور مینجمنٹ کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ عام حالات میں بھی کچھ وقت کارکنوں کے ساتھ گزارا کریں تاکہ ان کی سوچ، ذہنی سطح، کام کے معیار اور ان کی ذاتی ضروریات سے آگاہ ہوسکیں۔

⑤ ''سیل پوائنٹ اور سیل مین'': ان کی حیثیت ہر کمپنی میں نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی اچھی کارکردگی کا فوراً رزلٹ ملتا ہے اور ان کی ناقص کارکردگی کا نقصان بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ اچھی پروڈکٹ بنالینے کے باوجود ''سیل پوائنٹ اور سیل مین'' کے مناسب نہ ہونے کی وجہ سے کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ اور پہلی تمام محنت بے ثمر ثابت ہوتی ہے۔

مالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ''سیل پوائنٹ'' پر خاص توجہ دے، اچھی سیل کے لیے اچھا ماحول پیدا کرے اور بااخلاق، تجربہ کار سیل مین کا انتخاب کرے۔

خرابی کی اصلاح

ان پانچ چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد جہاں خرابی نظر آئے، اسے حکمت و دانشمندی سے درست کرنے کی کوشش کی جائے۔

اب مالک کی عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خرابی کی اصلاح کے لیے ایسی حکمتِ عملی اختیار کرے جس سے خرابی کی اصلاح ہوجائے اور دیگر ملازمین کے کام میں مزید حسن اور نکھار پیدا ہو۔

یاد رکھیے! قطعاً ایسے طریقے کا انتخاب نہ کیا جائے جس سے سارا عملہ متاثر ہو۔ اس طرح ممکن ہے کہ ملازمین کے دلوں میں آپ کا رعب اور دبدبہ قائم ہوجائے لیکن یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ آپ کسی ملازم کی صلاحیت سے پوری طرح فائدہ اسی صورت میں اٹھا سکتے ہیں جب آپ کا ملازم آپ کی طرف سے مطمئن ہو، اسے ذہنی یکسوئی حاصل ہو۔

نئے پراجیکٹ

بسا اوقات ''چلتے کاروبار'' کو وسعت دینے کے لیے نئے پراجیکٹ شروع کیے جاتے ہیں۔ یہ نہایت اچھا قدم ہے، اس سے کاروبار میں وسعت پیدا ہوتی ہے، سیل بڑھتی ہے اور کئی افراد کو روزگار ملتا ہے۔ یقیناً جو لوگ آگے قدم بڑھانے سے ڈرتے ہیں، وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں مالکان کی خدمت میں گزارش ہے کہ نئے پراجیکٹ شروع کرنے کے لیے مناسب اوقات اور مناسب حالات کا انتخاب کیا جائے۔

محترم قارئین! میں آپ کو اپنا ذاتی واقعہ سناتا ہوں۔ زرداری دورِ حکومت میں ہمارے فاران کالج کی بلڈنگ کے سامنے ہائی وے پر ایک برج (پُل) بننا شروع ہوا، جس کی وجہ سے وہاں تقریباً چار سال تک تعمیراتی کام ہوتا رہا۔ اس دوران میں کالج کے ایڈمیشن پر بھی اثر پڑا۔ ان حالات میں کئی مرتبہ میں نے اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ ہم تیسرا کیمپس ''اسکول لیول'' کا شروع کر لیتے ہیں۔ میرے بار بار اصرار پر وہ ہر دفعہ یہی جواب دیتے:

''ابھی صبر کرو، ان کالجوں پر خوب محنت کرو۔ جب یہ کالج اپنا خرچ خود نکالنے لگیں تو پھر تیسرا کیمپس شروع کر لینا۔''

اس وقت ان کا یہ فیصلہ میری طبیعت پر سخت گراں گزرتا تھا لیکن آج پوری بصیرت کے ساتھ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا یہ فیصلہ نہایت مناسب تھا۔ اگر ہم اس وقت یہ جذباتی فیصلہ کر لیتے تو شاید ہمیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

الحمد للہ! اللہ کا شکر ہے کہ اب ہمارا تیسرا کیمپس تکمیل کے مراحل میں ہے اور ہمیں کسی قسم کی معاشی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اگر ان گزارشات پر عمل کر لیا جائے تو مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ ہمارے کاروبار میں بہتری ہونی شروع ہوجائے گی۔

خزاں میں پھول کھلاؤ تو بات بنے

فرح ضیاء

ماں بننے کا احساس ایک عورت کو لمحوں میں آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے۔ اسے وہ اعزاز ملنے والا ہوتا ہے جو اسے معزز بنا دیتا ہے کیونکہ اب وہ ایک معمولی عورت نہیں بلکہ ماں ہے جس کے قدموں تلے اولاد کی جنت ہے۔ یہ ماں ہی ہے جو بچوں کی خاطر محبت سے تکلیفیں جھیلتی ہے۔اسی لیے ماں کا رشتہ سب سے بڑھ کر ہے۔اس کا کوئی بدل نہیں۔

جب سے میری ڈاکٹر نے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ میں ماں بننے والی ہوں، اس وقت سے میرے پیر زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ جو بچہ میری آنکھوں کے سامنے نہیں، جسے دیکھا تک نہیں، صرف اپنے وجود میں اس کے ہونے کے احساس سے ہی اس کی محبت سے دل آباد ہوگیا تھا۔ دن رات اور صبح و شام اسی کی فکر میں گزرتے۔اسی کے بارے میں سوچنا اور باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔

ڈاکٹر کے وِزٹ اس طرح کرتی جیسے بہت ہی خوشی کا کوئی موقع ہو۔ الٹراساؤنڈ کے لیے جانا ہوتا تو اور بھی خوش ہوجاتی۔ پھولے نہ سماتی کہ اس طرح اپنے بچے کو دیکھ سکوں گی۔ اپنے ہونے والے بچے کی صحت و تندرستی کی فکر میں اپنے کھانے پینے کا خیال رکھتی۔ اچھی اچھی کتابیں پڑھتی تاکہ بچے کا ذہن خوبصورت ہو۔ سب کی نصیحتوں کو دھیان سے سنتی اور ان پر عمل کرتی۔ ایک نصیحت امی کی بھی تھی کہ ''قرآن پاک پڑھو اور سنا کرو تاکہ بہترین آواز و کلام بچے کے کانوں میں جائے۔ اس کی شخصیت پر پیدائش سے پہلے ہی اس کی چھاپ ہو اور دنیا میں ایک بہترین شخصیت کا ظہور ہو۔''

ایک نصیحت میرے شوہر سجاد نے بھی کی کہ ''سیما، اپنی خوشیوں میں انھیں نہ بھول جانا جو اس خوشی سے محروم ہیں۔'' اس نصیحت سے مجھے اللہ کی یاد آگئی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور ان نعمتوں پر اترانے نہ لگو جو اللہ نے تمھیں دی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے اور بڑائی جتانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔'' (الحدید 23:57)

اور ساتھ ہی نبی ﷺ کی حدیث یاد آئی کہ ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو۔'' (صحیح البخاري: 10)

..... اور میں تو بھول گئی تھی کہ کسی کو غصے، بدزبانی یا ہاتھ کی مار ہی سے تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ بے جا خوشی کے اظہار سے بھی تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے۔ جو میں کر رہی تھی، وہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ خوشی کا بے تحاشا اظہار میری زبان و اعضاء سب سے ظاہر ہوتا۔ میری زبان سے نہ جانے کتنوں کو دکھ پہنچا ہوگا۔ میرے انداز کتنوں کی نظروں میں آئے ہوں گے اور کتنے دل اپنے رب سے شکوہ کناں ہوں گے کہ ''وہ کیوں محروم ہیں؟''

اس احساس نے مجھے مجرم بنا دیا۔ میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور معافی طلب کی اور ساتھ ہی سجدۂ شکر بھی بجالائی کہ جو بھی ملا، صرف اسی کی توفیق سے ملا۔

میرے ساتھ ساتھ میری نند صالحہ باجی بھی امید سے تھیں۔ اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے گھرانے کو دہری خوشخبری سے نوازا تھا۔

میرے بچے کی پیدائش سے ایک ماہ قبل صالحہ باجی کے ہاں بے حد خوبصورت و تندرست بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ سارا گھرانہ کھل سا گیا۔ ہر



کوئی ننھے قاسم کی بلائیں لیتا نہ تھکتا تھا۔ وہ تھا ہی ایسا..... معصوم اور پیارا۔

پھر مہینے بھر کے بعد ہمارے آنگن میں بھی چاند اترا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں بیٹی دی۔ مجھے بیٹے اور بیٹی سے فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ اللہ کی تقسیم ہے جس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: ''اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمان و زمین کی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ بے شک وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔'' (الزخرف 43:49,50)

لہٰذا میں اللہ کی تقسیم پر مکمل راضی تھی۔ نرس نے جب ننھی گڑیا کو صاف ستھرا کر کے میری گود میں ڈالا تو مجھے چاند گہنایا ہوا لگا۔ وہ Underweight تھی۔ رنگت بھی سانولی سی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میرا دل زیروزبر ہوگیا۔ معاً مجھے خیال آیا کہ میں اپنے رب کی رضا میں راضی نہیں ہوں۔ دوسرے ہی لمحے میں نے دل کی دھڑکنوں کو قابو میں کر کے اپنی ننھی سی کائنات کو سینے سے لگالیا۔ وہ جیسی بھی تھی میرے وجود کا حصہ تھی اور میرے رب کی عنایت تھی۔

ہم نے پیدائش کے بعد کی چھوٹی چھوٹی سنتیں پوری کرنے کے بعد یہ سنت بھی پوری کی کہ اس کو بہترین نام سے نوازا۔ ہم نے اس کا نام ''عائشہ'' رکھا۔ مجھے یقین تھا کہ قاسم کی طرح عائشہ کا استقبال بھی سب گھر والے والہانہ انداز سے کریں گے۔ وہ بھی قاسم کی طرح معصوم سی جان تھی۔ یوں بھی بچے خواہ کسی کے ہوں، کیسے بھی ہوں، سب مانند پھولوں کے دِکھتے ہیں، جن سے سب ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

مگر ایسا نہ ہوسکا۔ ملنے جلنے والے، دوست احباب حتیٰ کہ گھر والے بھی بس ایک نظر ڈالتے اور فوراً قاسم کی طرف متوجہ ہوجاتے کیونکہ ان دنوں صالحہ باجی ہمارے ہی گھر میں مقیم تھیں۔ قاسم ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور عائشہ کو صرف میرے ہی ہاتھ ملتے یا کبھی کبھار سجاد بھی گود لے لیتے اور پیار کرتے۔ کوئی اور بھولے بھٹکے اس کی جانب نگاہ کر بھی لیتا تو اسے جانچتی ہوئی نظروں سے پرکھا جاتا کہ گویا وہ عجوبہ ہو۔ مختلف زبانیں جب اس کے لیے گویا ہوئیں تو سوال کرتیں: ''ارے سیما! یہ کس کو پڑی ہے؟''

پپا (میرے سسر) نے تو صاف کہہ دیا: ''یہ اتنی کالی کس کو پڑ گئی؟ ہمارے گھر کی تو لگتی نہیں۔''

اگر کوئی محبت بھی جتاتا تو یوں جیسے ترس کھا رہا ہو۔ انداز یوں ہوتا..... ''ہاں اچھی ہے..... بس ذرا رنگ سانولا ہے۔ ٹھیک ہوجائے گی۔''

ہر نظر، ہر زبان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بہترین تخلیق کا مضحکہ اڑاتی محسوس ہوتی۔ اللہ کی ناشکری و ناقدری اور ننھی سی گڑیا کی اہانت سے میرا دل کٹ کٹ جاتا۔ میں سوچتی ''شاید یہ بیٹی ہے۔ بیٹا ہوتا تو شاید معاملہ کچھ اور ہوتا۔ یہ سوچ کبھی کبھی مجھے رنجیدہ کردیتی کہ میرے گھر بیٹی کیوں ہوگئی؟ پہلا بیٹا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔''

ایک دن میں نے اس بات کا اظہار سجاد کے سامنے بھی کیا تو وہ بہت خفا ہوئے اور بولے: ''ایک مسلمان ہوتے ہوئے اور قرآن و سنت کا علم رکھتے ہوئے یہ باتیں تم کو زیب نہیں دیتیں۔ کیا تمھیں پیارے نبی ﷺ کا وہ فرمان یاد نہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مبارک ہے وہ عورت جس کے پیٹ سے پہلی بچی پیدا ہو۔'' اور یہ بھی فرمایا: ''جس کی ایک بچی ہو، وہ اسے زندہ درگور بھی نہ کرے، اس کی توہین بھی نہ کرے، اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔'' (سنن أبي داود: 5147)

سجاد تھوڑی دیر کے لیے رکے تو میں دکھی ہوکر بولی: ''پھر سب لوگ ہماری بیٹی کی توہین کیوں کرتے ہیں؟ اس پر قاسم کو کیوں فوقیت دیتے ہیں؟ اسے طرح طرح کے نام دیتے ہیں۔ کیا کسی کو وہ بات یاد نہیں کہ جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ ''میں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے کہا: ''آپ کے لیے تو صفیہ کا ایسا اور ایسا ہونا ہی کافی ہے۔ (ان کے پَست قد ہونے کی طرف اشارہ تھا) تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر میں ملا دیا جاتا تو وہ اسے بھی خراب کردیتی۔'' (سنن أبي داود:4875)

سجاد بولے: ''فانی دنیا کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھنے کی بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وسیع اور نہ ختم ہونے والی رحمتوں پر نظر رکھنا..... ہمارے غموں کا مداوا کرتا ہے۔'' سجاد تھوڑی دیر کے لیے رکے اور پھر بولے: ''وہ واقعہ یاد کرو کہ جب سیدہ مریم علیہا السلام کے والدین ایک لڑکے کی توقع رکھتے تھے مگر لڑکی پیدا ہوئی تو انھوں



نے اس لڑکی کی بہترین تربیت کی ..... اور پھر اس لڑکی مریم کی آغوش میں ایک جلیل القدر پیغمبر نے بہترین تربیت پائی ..... قرآن وسنت کی ان خوشخبریوں کے باوجود اگر تمھارا دل دکھی ہے تو کوئی بھی چیز تمھارے غم کا مداوا نہیں کرسکتی۔''

یہ بات سن کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے سجاد سے وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی ایسی باتیں زبان پر نہ لاؤں گی۔

میں پھر کبھی یہ باتیں زبان پر نہ لائی لیکن اپنے دل کو قابو نہ کرسکی جو طرح طرح کی فکر اور غموں سے گھلا جارہا تھا۔ جیسے جیسے عائشہ بڑھ رہی تھی، میری فکریں بھی بڑھ رہی تھیں۔ وہ بظاہر نارمل تھی لیکن شاید نارمل نہ تھی۔ اپنی دنیا میں مگن رہتی۔ کوئی بات اس کو سمجھاتی، وہ نہ سمجھتی۔ اسکول گئی تو پہلے دن ہی سے شکایتیں آنے لگیں۔ ٹیچر کے بار بار مشورہ دینے پر میں نے اس کی ڈاکٹر سے اس کا مکمل Evaluation کروایا۔ جس سے عقدہ کھلا کہ رنگ و جسامت کے ساتھ اس کا آئی کیو لیول بھی اپنی عمر سے کافی کم تھا جس کے باعث اس کا Behaviour نہ صرف کلاس کی حد تک بلکہ کھیل کود اور دوسری Activities میں بھی اپنی ہم عمروں سے الگ تھا، یعنی وہ ذہنی اعتبار سے بھی اپنی ہم عمروں سے پیچھے تھی۔ ہر جگہ Ignore وہ ہوتی اور درد مجھے ہوتا۔ میں نے اس کا حل یہ نکالا کہ گھر سے نکلنا بے حد کم کردیا۔ ہر ایک سے اس کے بارے میں باتیں کرنے سے کتراتی کہ کوئی اس کے عیب نہ جان لے۔ ورنہ ساری زندگی کا داغ لے کر وہ کس طرح جی پائے گی۔ میں ہمیشہ اس کو اپنے ساتھ رکھتی۔ کبھی کبھار سسرال آنا جانا ہوتا اور وہاں کوئی اس کی کسی کمزوری کو بھانپ بھی لیتا تو الزام مجھ پر دھرتا کہ میں اس کا خیال نہیں کرتی، توجہ نہیں دیتی، وقت نہیں دیتی وغیرہ وغیرہ ..... لیکن یہ کوئی بھی نہ جان پایا کہ میں کن آزمائشوں سے گزر رہی ہوں۔ کیسی کیسی مشکلات سے تنہا جنگ کررہی ہوں۔ میں کتنا شوق رکھتی تھی کہ میرے بچے قرآن پڑھنے پڑھانے میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہوں مگر میری بیٹی قاعدہ بھی نہ پڑھ پاتی۔ طرح طرح سے ایک ہی بات کو سمجھاتی کہ شاید سمجھ جائے۔ آخر میں پوچھتی تو وہیں ہوتی جہاں سے شروع کیا تھا۔

پھر میں نے ایک حل نکالا۔ میں نے سوچا کہ اسے اس کے کلاس فیلوز کے ساتھ Attach کروں۔ شاید اس طرح اس کے سیکھنے کی رفتار بڑھ جائے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کے کلاس فیلوز کی مائیں بھی میری مددگار ہوں۔ لیکن وہ مائیں میرا ساتھ کیا دیتیں، وہ جب بھی ملتیں میری طبیعت اور ہی خراب ہوتی۔ وہ مجھے اپنے بچوں کی ذہانت اور اچھی عادتوں کے قصے بڑھ چڑھ کر سناتیں۔ اپنی تعریفیں کرتیں کہ کس طرح وہ اپنے بچوں کی تربیت کررہی ہیں۔ گویا میرے سامنے ثابت کرتیں کہ وہ بہترین مائیں ہیں اور ساتھ ہی ڈھیروں نصیحتیں کرتیں۔ گویا مجھے ماں بننا ہی نہ آیا ہو۔

میں ایسی ماں تھی جس کے سامنے کمزور اولاد تھی۔ اس کی کمزوری نے اس کی ماں کو بھی سارے زمانے میں کمزور کردیا تھا، حالانکہ اس سے قبل میری لیاقتوں کی ایک دنیا معترف تھی۔

ان ساری باتوں سے اکثر میرا ڈپریشن حد سے بڑھ جاتا۔ میں بے وجہ عائشہ پر ناراض ہوتی۔ کبھی اچھی خاصی پٹائی بھی کردیتی اور وہ معصومیت سے میرا چہرہ دیکھتی کہ میں خفا کیوں ہوں؟ اس کی سمجھ کیسی بھی ہو، وہ یہ ضرور سمجھتی تھی کہ ماں کو خفا نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اپنی سمجھ کے مطابق طرح طرح سے مجھے خوش کرنے کی کوشش کرتی۔ میرا منہ پکڑ کر Happy Face بناتی۔ ''ممی ہیپی، ممی ہیپی (MommyHappy)'' کہتے کہتے نہ تھکتی اور اس وقت تک مجھے نہ چھوڑتی جب تک کہ میں خود پر قابو نہ پالیتی۔

مگر ان سب پریشانیوں کے کچھ اچھے اثرات بھی مجھ پر ہوئے تھے۔ مجھے دوسرے ماں باپ کے غموں کا احساس رہنے لگا تھا۔ جس کے سبب میں خاص طور پر ان والدین کا خاص خیال رکھنے لگی تھی جو اس طرح اولاد کی کمزوریوں کے باعث آزمائش میں مبتلا تھے۔ ان کی حتی المقدور مدد کی کوشش کرتی اور اس بات کا خاص خیال رکھتی کہ کم از کم میری ذات سے انھیں کسی قسم کا دکھ نہ پہنچے۔ ان کے دکھ مجھے اپنے دل پر محسوس ہوتے مگر بے خبر تھی تو ان ننھی جانوں کے دکھوں سے جو اظہار کا سلیقہ بھی نہ رکھتے تھے۔ بے خبری کا یہ عالم تھا کہ میں اس بات کا شعور بھی نہ رکھتی تھی کہ ہماری غمزدہ صورت بھی انھیں احساس کمتری میں مبتلا کرتی ہے۔ بے زاری، لاپرواہی، بات بات



پر جھڑکنا.....ان کا دل بہت دکھاتا ہے۔

میں اور میرے جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی دھن میں یہ بات بھول جاتے ہیں کہ قدرتی طور پر ہر بچہ دوسرے سے مختلف ہے۔ کمزور بچوں کی چھوٹی چھوٹی کوششیں ہماری بڑی بڑی توقعات کے آگے معنی کھو دیتی ہیں۔ ہمیشہ تنقید و بدگمانی، بہت زیادہ توقعات، ہر وقت دوسروں سے موازنہ کرنا ..... ننھی سی جانوں پر بہت بوجھ لاد دیتا ہے۔ انھیں اپنے والدین سے برا سننا پڑتا ہے۔ نکمے، بدھو، نالائق اور بے وقوف کے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ اس طرح ہم انھیں احساس کمتری میں مبتلا کرکے مزید پستیوں میں دھکیل دیتے ہیں اور پھر بھی ان سے بلندیوں کی توقعات رکھتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ان کا نگران بنایا ہے اور کمزور جانوں پر رحم کی تلقین کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے۔ تم ان لوگوں پر رحم کرو جو زمین پر بستے ہیں۔ تم پر وہ ذات رحم کرے گی جو آسمان والی ہے۔''

میں ساری دنیا کے لیے رحم اور مہربانی کے جذبات رکھتی تھی مگر اسے فراموش کر بیٹھی تھی جو میرے نزدیک سب سے بڑھ کر رحم کی مستحق تھی۔ پھر ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایک دن میں حسب معمول عائشہ کو ہوم ورک کرانے بیٹھی تو معمول کے مطابق دو گھنٹے لگ گئے اور اس کو کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ اس دن میرا مزاج پہلے ہی بگڑا ہوا تھا کیونکہ صبح میں صالحہ باجی کے گھر گئی تھی اور وہ اپنی اور قاسم کی باتیں کرتی نہ تھک رہی تھیں۔ ان کی باتیں پہلے ہی میرا دل دکھا رہی تھیں اور ساتھ ہی ایک اچھی ماں بننے کی نصیحتیں مجھے نکما اور نالائق ثابت کر رہی تھیں۔ ان باتوں کی وجہ سے میں اہانت اور غصے کے احساسات میں مبتلا تھی۔ اس پر عائشہ کی نالائقی سے میں ایک دم بھڑک اٹھی اور جو دل میں آیا، کہتی چلی گئی۔ یہ سوچے اور جانے بغیر کہ اپنی اہانت کا بدلہ میں اپنے ہی وجود کی اہانت کرکے لے رہی ہوں۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی اور میں مسلسل بول رہی تھی ..... اور سوچ رہی تھی کہ کیوں ایسی کوششوں میں جان کھپا رہی ہوں جس کا کوئی نتیجہ نہیں؟ خراب ماں ہوں تو بری بن کے کیوں نہیں دکھاتی؟ کیوں چاہتی ہوں کہ میری بچی عام بچوں جیسی ہوجائے، زندگی گزارنے کے قابل ہوجائے؟ جو ممکن نہیں اس کے لیے کیوں جان جلاتی ہوں؟ کیوں سارے زمانے کے طعنے سنتی ہوں؟ خراب ماں کے طعنے.....اچھی مائیں تو سب ہیں۔ کوئی ایسی اولاد پالے تو جانوں کون اچھا ہے۔ اچھوں کو اچھا بنانا کیا کمال ہے۔ اس جیسی کو کوئی پالے پھر پوچھوں کہ کون اچھا ہے؟

میں نے ناگواری سے عائشہ کی جانب دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی بھاری کتاب بے دھیانی میں عائشہ کی جانب اچھال دی۔ یہ احساس کیے بغیر کہ اس کا نشانہ عائشہ بھی بن سکتی ہے ..... اور وہی ہوا۔ کتاب اس کی آنکھ پر لگی اور وہ جو ڈری سہمی ایک کونے میں کھڑی تھی، آنکھ دبا کر رونے لگی۔ وہ مسلسل کہہ رہی تھی: ''ممی میری آنکھ، ممی میری آنکھ۔'' اور بے تحاشا رو رہی تھی۔

اگلے ہی لمحے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر اب دیر ہوچکی تھی۔ مجھے لگا کہ میں بے ہوش ہوکر گر جاؤں گی۔ وہ کیسی بھی تھی میری بیٹی تھی۔ اس کے زخمی ہونے کے غم سے دل بند ہونے لگا۔ بھاگ کر 911 پر کال کرنے لگی تو سجاد نے ہاتھ سے فون چھین لیا کہ ''صبر و تحمل سے کام لو۔ کیا کرنے لگی ہو؟ پولیس تم سے پوچھ تاچھ کرے گی۔'' میں نے کہا: ''کچھ بھی ہو۔ بس میری بچی اچھی ہوجائے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔'' بڑی مشکل سے فون کرنے سے باز آئی۔ پھر میں نے اس کے ننھے ہاتھ ہٹا کر اس کی آنکھیں چیک کیں۔ الحمدللہ وہ دیکھ سکتی تھی۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ایک آنکھ نیلی ہوکر سوج گئی۔ میری ننھی گڑیا کو اتنا بڑا زخم میرے ہاتھوں پہنچا۔ اس گناہ کے احساس سے میں زمین میں گڑی جارہی تھی۔ بہت عرصے کے بعد میں نے اسے بھینچ کر سینے سے لگالیا۔ میں زاروقطار رو رہی تھی۔ معافیاں مانگ رہی تھی۔ اپنی ساری خطائیں یاد آرہی تھیں۔ دل تھا کہ بیٹھا جارہا تھا کہ مجھے صرف اپنے غموں کا احساس رہا۔ وہ تنہا جان کیا کیا سہتی رہی۔ میں جان ہی نہ پائی۔ پھر بھی مجھ سے کہیں بھلی تو میری بیٹی تھی، جو اس حال میں بھی مجھے روتے دیکھ کر مجھے پیار کر رہی تھی۔ بار بار کہہ رہی تھی ''ممی ہیپی (Mommy Happy)'' (یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ آپ Sad کیوں ہیں؟ Happy



ہوجائیں۔)

''آئی لو یو ممی''

''آئی لو یو ٹو میری گڑیا۔'' میں نے اسے پیار کرتے ہوئے جواب دیا۔

تھوڑی دیر میں وہ مطمئن ہوکر سوگئی لیکن میں جاگتی رہی۔ اس کو چھوتی، پیار کرتی، اللہ سے معافیاں مانگتی رہی۔ اپنی بدسلوکیاں یاد کرتی تو آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے۔ پھر مجھے یاد آیا کہ جب سے عائشہ نے کچھ کچھ لکھنا پڑھنا اور ڈرائنگ کرنا سیکھا تھا، وہ ایک ہی بات لکھتی تھی۔ ''Love Mommy'' ساتھ ہی اپنی اور میری تصویریں بنی ہوتیں جو اس کے معصوم دل کی عکاسی کرتی تھیں۔ پہلی بار Mothers Day پر میں اس کے اسکول گئی تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمارہی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے بنایا کارڈ دے کر میرے چہرے کو تکتی رہی کہ میرا Reaction کیا ہوتا ہے؟ میں مسکرائی تو وہ اس طرح خوش ہوئی جیسے خزانہ پالیا ہو۔

''کتنی معصوم ہے میری بیٹی۔'' میں نے محبت سے ایک نظر عائشہ پر ڈالی پھر سوچا ''کیا ہوا جو وہ کمزور تھی۔ میں اس کا ہاتھ تھاموں گی، اس کو تحفظ فراہم کروں گی۔ یہ تو اللہ کا بہترین تحفہ ہے۔ جس نے اسے پیدا کیا، اس نے ہی اس کی تقدیر بنائی۔ اس کی تربیت کے اسباب بھی مہیا کیے مگر کوتاہ نظر انسان کی نظر صرف ان چیزوں پر رہتی ہے جو اس کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ کیا کیا مل گیا، اس پر دھیان ہی نہیں جاتا۔ کیا ہوا جو میری بیٹی تھوڑی کمزور ہے۔ اللہ نے اسے بہت سی صلاحیتوں اور نعمتوں سے نوازا بھی ہوگا۔ سجاد سچ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کی رحمت ہی نہ پہچانی، ورنہ کبھی غمگین نہ ہوتی۔

میں نے نئے عزم سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور عملی تدابیر کے لیے تیار ہوگئی۔ پھر پہلی فرصت میں اس کے اسکول ٹیچر اور ڈاکٹر سے میٹنگز کیں اور اعتماد کے ساتھ میں نے ان کی ہدایات پر عمل شروع کردیا۔ اب تک میں صرف دعائیں کرتی تھی اور عملی تدابیر سے آنکھ چراتی تھی۔ اب میں فخر سے اپنی بیٹی کو سب کے سامنے لاتی ہوں۔ وہ جو Achieve کرتی ہے، اسے سراہتی ہوں۔ اس کی عزت کرتی ہوں تو سب اس کی عزت کرتے ہیں اور مدد کرتے ہیں۔ اس نے بھی اعتماد سے چیلنجز کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا۔ چیلنجز سے مقابلے کی صلاحیت معمولی انسان کو بھی غیر معمولی بنادیتی ہے۔ مجھے بھی اب وہ معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی دکھائی دیتی ہے۔ جس پر میں اپنے رب کا تہہ دل سے شکر ادا کرتی ہوں۔

میں سب والدین سے یہی کہتی ہوں کہ اولاد تو آزمائش ہے۔ اگر کسی کی اولاد کسی بھی طرح کمزور ہے تو ان کی کمزوری کو پہچانیں۔ حقیقت کا سامنا کریں۔ ان کا ہاتھ تھامیں۔ آنکھیں چھپا کر احساس کمتری میں مبتلا نہ کریں بلکہ اعتماد و تحفظ دیں۔ یہ مرحلہ کٹھن ہے مگر اللہ ہے ناں!

وقت گزر ہی جاتا ہے۔ یہ مشکل دور بھی گزر جائے گا۔ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ صبر کیجیے۔ بچوں کو موردِ الزام نہ ٹھہرائیں۔ ان کے قدردان بنیں کیونکہ وہ اللہ کے گھر سے جنت کے ٹکٹ لاتے ہیں اور ساتھ ہی کچھ اور سیٹیں ہیں جس میں ان کے نام ہوتے ہیں جو ان کے قدردان ہوں گے۔ اس لیے کہ ہر بچہ خاص ہے اور ایسے بچے تو خاص الخاص ہیں۔

بے اولادی بھی اللہ کی آزمائش ہے کہ اولاد کی تقسیم تو اس کے ہاتھ ہے۔ غمگین ہوکر ناشکری نہ کریں۔ بہت سے ننھے وجود ہیں جو کسی کے انتظار میں ہیں۔ ان کا سہارا بنیں۔ جو یتیم ہیں، لاچار ہیں، بے سہارا ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ماں باپ سلامت ہیں لیکن اپنی اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت دینے سے قاصر ہیں تو کوئی جسمانی، ذہنی کمزوری میں مبتلا ہیں۔ ہر ماں باپ اپنی اولاد کو بلند سے بلند مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان بچوں کی زندگی میں کیسا گھپ اندھیرا ہے جن کے ماں باپ نے انھیں احساس کمتری اور ذلت کی طرف دھکیل دیا ہے۔ ان کے اندھیروں کے چراغ بن جائیں۔

اور وہ ماں باپ جن کے پاس بہترین اولاد ہے، وہ بھی اللہ کی جانب سے آزمائش میں ہیں۔ فخر و غرور کی بجائے شکر ادا کریں۔ جس نے نعمت دی ہے، وہ لے بھی سکتا ہے۔ یوں بھی اکیلے ترقی کرنے میں کیا بڑائی ہے۔ بڑائی تو یہ ہے کہ پیچھے رہنے والوں کو ہاتھ بڑھا کر انھیں اپنا ہم قدم کرلیں۔ اسی میں بڑائی ہے اور یہی پیغام سب کے لیے ہے کیونکہ

بہار آتی ہے تو کانٹے بھی مسکراتے ہیں
خزاں میں پھول کھلاؤ تو بات بنے

بقیہ: باطل پر ایمان

باطل پر ایمان لانے کا مزید مطلب سمجھنے کے لیے درج ذیل عام فہم مثال پر غور کیجیے:

آج کل میڈیا کے ذریعے ملنے والی خبر پر لوگ کس قدر جلد یقین کر لیتے ہیں چاہے وہ بالکل جھوٹ اور باطل ہی ہو۔ مگر خالق کائنات کی فراہم کردہ خبروں پر ایمان لانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح ٹی وی پر پیش کیے جانے والے ڈراموں کا حال ہے جو حقیقت نہیں ہوتے بلکہ سب کو معلوم ہے کہ ان میں اداکار فرضی کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر بھی بعض اوقات ڈرامہ دیکھنے والے اتنا متاثر ہوتے ہیں کہ کسی دردناک منظر پر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ یہ اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب دیکھنے والا اس کو سچ سمجھ رہا ہو۔ اگر جھوٹ سمجھے تو رونا کبھی نہ آئے گا۔ یقین کی یہی کیفیت ایمان کہلاتی ہے جس میں کئی لوگ غیر شعوری طور پر مبتلا ہوجاتے ہیں۔

حق اور باطل کی تمیز صرف قرآن پاک اور حدیث مبارکہ کے مطالعہ ہی سے ہوسکتی ہے۔ قرآن پاک کی اسی صفت کو الفرقان کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مگر مسلمانوں کی اکثریت اس کے مطالعہ سے محروم ہونے کی وجہ سے حق اور باطل کو گڈمڈ کیے ہوئے ہے۔ یقین تو باطل پر ہوتا ہے مگر سمجھتے اپنے آپ کو حق پر ہیں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو حق دکھا کر اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور باطل کو باطل دکھا کر اس سے بچنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

یہ کون آیا کہ ذکر جس کا، نگر نگر ہے، گلی گلی ہے

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ
بانی وسابق چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث
(اپریل 2005ء کے شمارے سے ایک اقتباس)

کرم کے بادل برس رہے ہیں، دلوں کی کھیتی ہری بھری ہے
یہ کون آیا کہ ذکر جس کا، نگر نگر ہے، گلی گلی ہے
یہ کیف و مستی فضا پہ چھائی، چمن پہ دیکھو نکھار آیا
ہیں پھول مہکے، کھلی ہیں کلیاں، جیسے موسم بہار آیا

قارئین! یہ ماہِ ربیع الاول ہے۔ ربیع سے مراد موسم بہار ہے۔ موسم بہار جب آتا ہے تو غنچے چٹکتے ہیں، پھول کھلتے، کلیاں مسکراتی، چمنستان مہکتے، سبزہ زار لہکتے، عنادل چہکتے، مرغان خوش نوا ذکر الٰہی میں بادہ مست ہوتے، باغ وراغ جوبن پر دکھائی دیتے اور ہرن اور طرح طرح کے جانور اکلیلیں کرتے ہیں۔

آج سے تقریباً 1500 برس قبل 9 ربیع الاول یکم عام الفیل کو ظلمت کدہ شب میں سپیدہ سحر کی کرن پھوٹی..... جس سے کرۂ ارض جگمگا اٹھا۔ وادی بطحا میں وہ پھول کھلا جس کی خوشبوئے دل نواز سے عرب وعجم مہک اٹھا.....''

''ہمیں سب مخلوقات سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت ہونی چاہیے۔ اور ہم اس محبت کا اظہار محض قول ہی سے نہ کریں، عمل سے بھی کریں۔ آپ کی حیات طیبہ اور سیرت وسنت کا مطالعہ کمال شوق اور عقیدت سے کریں کیونکہ یہ اسی لائق ہے۔ آپ سے اعلیٰ اور بہتر نہ کسی کا اسوہ ہوسکتا ہے نہ کسی کا قُدوہ ونمونہ۔ اسے اپنانے کی بے حد ضرورت ہے۔ سیرت وسنت کے بغیر ہمارے جھگڑے نمٹ سکتے ہیں نہ مسائل حل ہوسکتے ہیں۔

خطباء کو مساجد میں، علماء کو مدارس میں، اساتذہ کو سکولوں میں، افسران کو دفاتر میں، حکمرانوں کو ایوانوں میں، درویشوں فقیروں کو تکیوں اور آستانوں میں، نوابوں اور چوہدریوں کو اپنے ڈیروں میں حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی سیرت وسنت کی ضوبار قندیلوں سے روشنی بہم پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ہمارا کوئی جلسہ، کوئی اجتماع، کوئی فنکشن، میٹنگ اور محفل رسول ﷺ کے پاکیزہ تذکرہ وبیان کی عطر بیزی سے خالی نہیں ہونی چاہیے..... اگر ہمیں آپ ﷺ سے سچی محبت ہے تو ہماری ہر مجلس، ہر نشست، ہر کارنر میٹنگ اور ٹیبل ٹاک آپ ﷺ کے ذکر خیر کی مہک سے رچی بسی ہونی چاہیے۔

آپ ﷺ کی ہر ادا پر کشش، ہر ارشاد پُر کیف، ہر نکتہ شاندار، ہر نصیحت دل افروز، ہر حکم حکمت آگیں، ہر مکتوب انقلاب آفریں اور ہر وصیت بہترین ہے۔ جس طرح آپ بے مثال ہیں بیشک اسی طرح آپ کا قدوہ واسوہ بھی لاجواب ہے۔''



دارالسلام ماہ رفتہ

حافظ محمد ندیم

ضیائے حدیث دارالسلام کا ذیلی ادارہ ہے۔ضیائے حدیث دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار ہے۔36 لوئر مال روڈ لاہور سے نکلنے والا یہ پرچہ الحمدللہ مسلسل ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ادارہ میں اکثر وبیشتر مہمان آتے ہیں جو اپنے مشوروں سے نوازتے ہیں۔ادارے کے ذمہ داران ان سے حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ملکی، غیر ملکی اور قومی مسائل پر خوب بحث مباحثہ ہوتا ہے۔جس کی روشنی میں لائحہ عمل ترتیب دیا جاتا ہے۔

دارالسلام کے وزیٹرز

- ڈاکٹر حافظ عبدالکریم (ایم این اے) ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان
- ڈاکٹر صہیب حسن صاحب سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث (بریطانیا)
- مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث (بریطانیا) اور معروف مؤلف
- ڈاکٹر ریاض جاوید خواجہ (چیئرمین میڈیکل ایسوسی ایشن الریاض، سعودی عرب)
- ایوب احمد سپراجنرل منیجر دارالسلام (کراچی) ڈاکٹر محمد آصف

منصوبہ جات

- الحمدللہ قرآن کمپلیکس (کوٹ عبدالمالک) تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔یہ ایک میگا پراجیکٹ ہے جس میں قرآن مجید اور دینی کتب کی پرنٹنگ عالمی معیار اور تیزی کے ساتھ ہوگی۔ان شاء اللہ
- دارالسلام نے موچی پورہ، پیکوروڈ لاہور میں اپنے پانچویں شوروم کا آغاز کردیا ہے۔یہاں دارالسلام کی کتب اور دیگر اشیاء کے ساتھ سٹیشنری کا سامان بھی رکھا گیا ہے۔
- دارالسلام ریسرچ سنٹر واقع 36 لوئر مال بیسمنٹ کی ایک منزل مکمل ہوچکی ہے۔تعمیر کا کام تیزی سے جاری وساری ہے۔

نئی کتب

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات	قیمت	نمبر شمار	نام کتاب	صفحات	قیمت
①	صحیح بخاری شریف (اردو) مکمل 6 جلدیں	4776	7200	⑤	تجلیات نبوت درسی	340	250
②	اخلاق نبوی کے سنہرے واقعات از عبدالمالک مجاہد	360	1300	⑥	تقویۃ الایمان درسی	112	90
③	میرے سنہرے سفرنامے از عبدالمالک مجاہد	392	1300	⑦	ابواب الصرف	512	350
④	سنہری کرنیں 4 کلر از عبدالمالک مجاہد	352	1100	⑧	دعا اور دم کے ذریعے سے مسنون علاج	152	150

شادی بیاہ میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار

احادیث رسول کی روشنی میں



قسط:4

حافظ صلاح الدین یوسف

موجودہ حالات میں اظہار مسرت کا مذکورہ جائز طریقہ، ناجائز اور حرام ہے

اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ و رسول کے احکام پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات و منہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچیوں کا سرعام ناچنا گانا، ویڈیو اور مووی فلمیں بنانا، بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب، بینڈ باجے، میوزیکل دھنیں اور میوزیکل شو، آتش بازی وغیرہ، یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب غیروں کی نقالی اور اسلامی تہذیب و روایات کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔

یہ صورت حال اس امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ کوئی بھی شریعت کی بتائی ہوئی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچے بغیر کسی کی تسلی نہیں ہوتی۔ بنابریں اسلام کے مسلمہ اصول سَدًّا للذریعۃ کے تحت یہ جائز کام بھی اس وقت تک ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح کر کے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کردے۔

غیر شرعی شادیوں کا بائیکاٹ صحیح نہیں؟

لوگ کہتے ہیں کہ جن شادیوں میں غیر شرعی حرکتیں ہوتی ہیں، تو ان کو خاموشی سے برداشت کرلینا چاہیے اور ان رسومات کی وجہ سے بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں، بہن بھائی، عزیز و اقارب ناراض ہو جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ ٹھیک ہے کہ صلہ رحمی (رشتے داریوں کو قائم رکھنے) کی تاکید ہے اور قطع رحمی (رشتے توڑ دینے) پر بڑی سخت وعید ہے۔ لیکن اس حکم کا تعلق دنیوی معاملات سے ہے، یعنی دنیوی معاملات میں کتنی بھی تلخی، کشیدگی، ناراضی ہو جائے، اسے طول نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کی وجہ سے بول چال اور تعلق منقطع کرنے کی اجازت ہے اور اگر جذبات میں زیادہ شدت ہو تو تین دن تک تعلق منقطع کرنے کی رخصت ہے، اس کے بعد صلح کرلینی اور بات چیت شروع کردینی چاہیے۔ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے تعلق منقطع کیے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، دینی احکام و شعائر اور دینی اقدار و روایات کے احترام اور ان پر عمل کرنے کا معاملہ ہے۔ یہ دنیوی معاملات سے یکسر الگ ہے۔ دین، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محترم اور ہر تعلق سے زیادہ بالا ہے۔ اس کے احترام اور بالادستی پر ہر چیز کو قربان کیا جاسکتا ہے بلکہ قربان کیا جانا ضروری ہے، یہی ایمانی غیرت اور دینی حمیت کا تقاضا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ شادی بیاہوں میں ساری شیطانی حرکتوں اور جاہلی رسومات کے باوجود ان کا بائیکاٹ کرنا صحیح نہیں



ہے، ان میں شریک ہی رہنا چاہیے، ان کے اندر نہ دین کی حمیت و غیرت ہے اور نہ دین اسلام کا صحیح شعور، وہ اسوۂ رسول سے بھی بے خبر ہیں اور صحابۂ کرام کی دینی غیرت سے بھی لاعلم۔ ذرا نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ دیکھیے!

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انھوں نے ایک تصویروں والا گدّا خریدا، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور گھر کے اندر داخل ہونے لگے تو دروازے سے ہی اس گدّے پر نظر پڑ گئی تو آپ ﷺ دروازے ہی پر کھڑے ہوگئے، اندر داخل نہیں ہوئے، (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:) میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتی ہوں اور آپ سے بھی معافی کی خواست گار ہوں، مجھ سے کیا غلطی صادر ہوگئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ گدّا کیا ہے؟'' میں نے کہا: یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھا کریں اور اس کو بطور تکیہ استعمال کرلیا کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، تم نے جو یہ تصویریں بنائی تھیں، ان میں جان ڈال کر ان کو زندہ کرو!'' مزید فرمایا: «اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرُ لَاتَدْخُلُهُ الْمَلَآئِكَةُ» ''جس گھر میں تصویریں ہوں، اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔'' (صحيح البخاري: 2105)

جب اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ، جو مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہے، یہ ہے کہ جہاں آپ کو تصویریں نظر آئیں، وہاں آپ نے داخل ہونا پسند نہیں فرمایا تو جن اجتماعات میں بینڈ باجے بج رہے ہوں، مرد وزن کا مخلوط اجتماع ہو، عورتوں نے شرم و حیا کے سارے حجابات اتار پھینک دیے ہوں، ان کی مواویاں بن رہی ہوں۔ ایسے شیطانی اجتماعات میں شریک ہونا اور شریک رہنا، ایک مسلمان مرد اور عورت کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

رہا مسئلہ ایسی خرافات کا ارتکاب کرنے والوں کے بائیکاٹ کا تو اس کا اثبات اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے اس واقعے سے بھی یقیناً ہوجاتا ہے لیکن ہم دو صحابیوں کی ایمانی غیرت کے بھی دو واقعے اس موقع پر بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہوجائے کہ صحابۂ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ کتنا سخت رویہ اختیار فرمایا اور رشتوں کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی۔

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جاکر نماز پڑھنے سے مت روکو! تو ان کے بیٹے بلال نے کہا: ہم تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے تاکہ فساد پیدا نہ ہو۔ یہ سن کر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سخت غضب ناک ہوئے اور ان کو اتنا برا بھلا کہا کہ کبھی کسی کو اتنا برا بھلا نہ کہا، اور فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے؟ (صحيح مسلم: 442/30) یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے۔ جس میں یہ اضافہ بھی ہے: «فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ» ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے ساری عمر کلام نہیں کیا حتی کہ فوت ہوگئے۔'' (بحواله مشكوٰة: 1084)

② اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کا ایک قریبی عزیز (بھتیجا) انگلی سے کنکری پھینک رہا تھا، عبداللہ بن مغفل نے اسے اس سے روکا کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود وہ باز نہیں آیا، تو انھوں نے اس سے فرمایا: ''میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں کہ اس سے آپ نے منع فرمایا ہے اور تو پھر بھی کنکری مار رہا ہے؟ «لَا اُكَلِّمُكَ اَبَدًا» ''میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔'' (صحيح مسلم: 1953)

اللہ کی ناراضی یا لوگوں کی ناراضی!!

دو حدیثیں اور ملاحظہ فرمائیں جو نہایت فیصلہ کن ہیں بشرطیکہ دل میں ایمان کی حرارت اور اللہ کا خوف ہو؟

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ اَرْضَى اللّٰهَ بِسَخَطِ النَّاسِ، كَفَاهُ اللّٰهُ النَّاسَ، وَمَنْ اَسْخَطَ اللّٰهَ بِرِضَى النَّاسِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ» ''جس نے اللہ کو راضی کرلیا، چاہے لوگ ناراض ہوگئے ہوں اللہ اس کو لوگوں سے کافی ہوجائے گا۔ اور جس نے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کرلیا، اللہ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کردے گا۔'' (الصحيحة، للألباني: 392/5، رقم الحديث: 2311)



بائیکاٹ کے ساتھ نفرت کا اظہار بھی!

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ» ''جس نے (کسی سے) اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لیے نفرت رکھی، اللہ ہی کے لیے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ ہی کے لیے انکار کیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔''

(سنن أبي داود: 4681)

وضاحت: کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے، کسی عالم دین سے اس کی حق گوئی اور حق پرستی کی وجہ سے، کسی صداقت شعار آدمی سے اس کی صداقت اور راست بازی کی وجہ سے محبت رکھنا اللہ کے لیے محبت ہے کیونکہ ان خوبیوں کو اپنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کے اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے۔ اور جو اللہ کے حکموں کو پامال کرتا ہے، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے نفرت اور ناراضی کا اظہار کرنا، اللہ کے لیے نفرت کا اظہار ہے جو اللہ کو پسند ہے۔ اسی طرح کسی ضرورت مند صاحب ایمان کو اللہ کی رضا کے لیے دینا اللہ کے لیے دینا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کسی بدکردار کو دینے سے انکار کردینا، اللہ کے لیے انکار ہے، یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے کرنا کمال ایمان ہے اور اس کے برعکس رویہ ایمان کے منافی ہے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ زیر بحث قسم کی شادیوں میں شریک ہونا اور آخروقت تک شریک رہنا، ایک مسلمان کے شایان شان اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے یا ان کا بائیکاٹ کرنا شیوۂ مسلمانی اور عنداللہ پسندیدہ ہے؟

ہر شخص آخرت کی جواب دہی کا احساس اور فکر کرتے ہوئے، اگر آخرت پر اس کا یقین ہے، جواب سوچ لے اور اس کے مطابق فیصلہ کرلے ؎

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانو نہ مانو! جان جہاں اختیار ہے

آئینہ دیکھ کر برا نہ منائیے! اصلاح کیجیے!

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ» ''مومن، مومن کا آئینہ ہے۔'' (سنن أبي داود: 4918) آئینے کا کام کیا ہے؟ وہ انسان کے چہرے اور رنگ روپ کو بالکل اس طرح دکھاتا ہے جس طرح وہ ہوتا ہے، اس میں نہ آئینے کا کوئی نقص ہے اور نہ آئینہ دکھلانے والے کی غلطی۔ اس لیے بیان کردہ رسومات اور اس میں ہمارے عمل اور رویے کی تفصیلات، ایک آئینہ ہے جو ایک مومن بھائی نے دوسرے مومن بھائیوں اور بہنوں کو دکھلایا ہے جس سے مقصود اصلاح اور خیرخواہی کے سوا کچھ نہیں۔ بنابریں آئینہ ان کو دکھلایا تو برا مان گئے۔ والا طرزعمل اختیار کرنے کے بجائے اپنے رویوں کا جائزہ لے کر ان میں اصلاح اور تبدیلی کی کوشش کریں۔ وبیداللّٰہ التوفیق.

قرآن کریم میں اللہ کا حکم

اب تک جو گفتگو ہوئی، احادیث رسول اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں تھی اب ذرا قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام بھی ملاحظہ فرمالیجیے!

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ تمھارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جس کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انھی جیسے ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔'' (النسآء 140:4) یعنی جہاں اللہ کے احکام کا انکار یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو تو اہل ایمان کو وہاں بیٹھنے (جانے یا اگر بے خبری میں چلے گئے ہیں تو بیٹھے رہنے) سے منع کیا جارہا ہے اور تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم منع کرنے کے باوجود ایسی مجلسوں میں جاؤ گے یا وہاں بیٹھے رہو گے تو تم بھی گناہ اور نافرمانی میں ان کے برابر ہوگے۔ جیسے ایک حدیث میں آتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔'' (مسند أحمد: 392/1-339)

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں یا اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً انکار یا مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل اُمراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ کی تقریبات میں ایسا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کھلم



کھلا، علانیہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب بھی دراصل اللہ کے احکام کا مذاق اڑانا ہی ہے۔ علاوہ ازیں ارتکاب کرنے والے اور خاموش تماشائی بن کر شرکت کرنے والے، دونوں جرم میں برابر کے گناہ گار ہیں۔ اسی لیے اللہ نے اس آیت میں یہ فرما کر ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ ''اس وقت تم بھی ان جیسے ہی ہوگے۔'' (النسآء 4:140) شرکت کرنے والوں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم تو رشتے داری کی وجہ سے مجبور ہیں؟ ''ان جیسے ہی ہوگے'' کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کر دینے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

اور یہ جو اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ''اس نے یہ کتاب میں نازل کیا ہے، یہ اس آیت کا حوالہ ہے جو اللہ نے اس سے قبل نازل فرمائی اور اس میں بھی یہی حکم فرمایا جو اس میں فرمایا ہے اور وہ آیت ہے: ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ ''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔'' (الأنعام 6:68)

آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ اور اسی طرح آیت میں اگرچہ ذکر اہل زیغ و اہل ضلال اور ان کی مجالس میں بیٹھنے کی ممانعت کا ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے جس میں ہر وہ مجلس شامل ہوگی جس میں اللہ رسول کے احکام کا زبان و بیان کے ذریعے سے یا عمل کے ذریعے سے انکار کیا یا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ عملی انکار یا مذاق میں شادی بیاہ کی وہ ساری تقریبات (مہندی، منگنی، بارات، ولیمہ وغیرہ) آ جاتی ہیں جن میں غیر شرعی حرکات کا دھڑلے سے ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا.

بہتر امت بننے کی شرائط

دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے، کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آل عمران 3:110)

اس آیت میں ''امت مسلمہ'' کو ''خیر امت'' (بہترین امت) قرار دیا گیا ہے اور اس کی علّت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''بہترین امت'' ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے (جیسے وہ اس وقت دنیا میں ہے) اس کے بعد قرآن کریم میں اہل کتاب کی مذمت سے بھی اس نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ اہل کتاب کی صفت بیان کی گئی ہے۔ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ ''آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔'' (المآئدة 5:79) اور زیر تفسیر آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس سے قبل ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے: ''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔'' (آل عمران 3:104)

''منکر'' (برائی) سے جس طرح شرک و بدعات، فسق و فجور اور دیگر نافرمانی والے کام مراد ہیں، اسی طرح وہ ساری رسومات و خرافات بھی داخل ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہیں اور زیر بحث شادی کی رسومات اسی قبیل (قسم) سے ہیں۔ دوسرے، آیت میں مِنْكُمْ کے مِن کو تبعیضیہ قرار دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر ایک گروہ (بعض لوگ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرلے گا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا، یعنی یہ فریضہ فرض کفایہ ہے۔ لیکن آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔ یہ الفاظ مقتضی ہیں کہ مِن کو تبیین کے لیے مانا جائے کیونکہ کامیابی تو ہر مسلمان کا مقصد ہے اور ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے یہ فریضہ ''فرض عین'' ہے، یعنی ہر ہر فرد اپنے اپنے دائرے اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے، جیسے حدیث: «بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَة» (صحيح البخاري) کے تحت ہر شخص تبلیغ کا ذمے دار ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ربیع الاول کا ایک خوبصورت اور نایاب تحفہ

آئینہ سیرتِ نبوی ﷺ

قبل از نبوت، مکی دور اور مدنی دور کے تمام اہم واقعات ماہ وسال کے آئینے میں۔ حلیہ مبارک، ازواج، اولاد، خاندان اور قریبی اعزہ کے شجرے اور حجرات النبی ﷺ کے نقشے پر مشتمل بڑے سائز کا 4 کلر خوبصورت پوسٹر **ادارہ دارالسلام، جمعیۃ المناھل الخیریہ** کے تعاون سے فی سبیل اللہ تقسیم کر رہا ہے۔

سکول، کالج، مدارس، یونیورسٹی اور دیگر جگہوں پر آویزاں کرنے کے لیے خواہش مند حضرات دفتر **جمعیۃ المناھل الخیریہ** اور **دارالسلام شوروموز** سے فی سبیل اللہ حاصل کریں۔

فری تقسیم کرنے والے مخیّر حضرات بھی رابطہ کر سکتے ہیں تاکہ یہ نایاب تحفہ ہر خاص وعام تک پہنچ سکے۔

آئینۂ سیرتِ نبوی ﷺ پوسٹر بڑے سائز کے فلیکس میں دارالسلام شوروموز پر قیمتاً بھی دستیاب ہے۔

دیدہ زیب پوسٹر

فری

حاصل کریں



لاہور شوروموز
36 لوئر مال 042 372 40 024
• اُردو بازار 042 371 20 054 • ڈیفنس Y بلاک 11 - 610 92 356
• ٹاؤن شپ 042 351 24 230 • لبرٹی گول چکر 0321-4514923

Info@darussalampk.com www.darussalampk.com

اسلام آباد
F-8 مرکز
فون: 051 22 815 13

کراچی
مین طارق روڈ
فون: 021-343 93 936

گوجرانوالہ
جمعیۃ المناھل الخیریۃ گل روڈ، گلی نمبر 5، عبید کالونی گوجرانوالہ 055 3735977

ہیپاٹائٹس B/C

اور تمام امراضِ جگر کا مستقل علاج (ان شاء اللہ)

- LFT 10 سے 15 روز میں رپورٹ کلیئر
- یورک ایسڈ۔ کولیسٹرول۔ مردانہ جراثیم پرابلم (مردانہ تولیدی جراثیم کا مردہ یا کم ہونا)
- گردہ۔ مثانہ اور پتہ کی پتھری کا بغیر آپریشن علاج
- امراضِ دل کا بغیر آپریشن مستقل علاج

دل کا بڑھ جانا | والوز کا بند ہونا | شریانوں کا بند ہونا

تمام امراض کا ہربل ادویات سے بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ کے علاج کیا جاتا ہے

ہربل فزیشن
شاہد سجاد
0333 69 68 843
0301 69 31 632
ٹائم لے کر تشریف لائیں

مطب
شفاء الخیر

24- علامہ اقبال روڈ نزد ریلوے کیرن ہسپتال لاہور (بروز سوموار تا جمعہ)
عقب مسجد رحمانیہ اہل حدیث کچہری روڈ نزد دفتر جماعت اسلامی چیچہ وطنی (بروز اتوار)